U1
Ans9u

اُجالے

انجم فوقی بدایونی

قیمت

محمد وحید الدین۔ ایف۔ آر۔ ایس۔ اے لنڈن
پرنٹر و پبلیشر
مطبوعہ نظامی پریس بدایوں

صحت نامہ حصۂ نظم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	سنیں	نہیں	۹	۱۱	جلوۂ حُسن	پرتوِ حُسن
۱	۳	جاے	جائے	۱۰	۱	بچاے	بچائے
۱	۶	نغمہ زاہیں	نوازا ہیں	۱۱	۷	جلوہ بہ حیرت	حیرت بہ جلوہ
۱	۶	زونوں	دونوں	۱۱	۸	کعبۂ و بُت خانہ	کعبۂ و بتخانہ
۲	۲	زُورِ نَو	دَورِ نَو	۱۲	۱۱	بدلیں جو	بالیں جو
۲	۳	ہم پہ کما	ہم پہ کیا	۱۴	۵	نہیں ہیں	ہمیں ہیں
۲	۷	بھر	پھر	۱۶	۱۴	تکمرز	تکرّر
۳	۱۲	نہلیں	نہیں	۱۷	۳	تقدیم	تقادم
۵	۱۱	نہیں	نہیں	۱۸	۵	نہیں	نہیں
۶	۵	نُہیں	نہیں	۱۹	۶	آبجاے گا	آجائے گا
۶	۱۲	شہرارے	شرارِ	۲۱	۱۴	نظم کائنات	نظمِ کائنات
۷	۳	نہیں	نہیں	۲۵	۸	ڈھونڈتے ہیں	ڈھونڈھتے ہیں
۷	۵	خاطر ہیں	خاطرؔ ہیں	۲۶	۴	فغاں "ہم نے"	فغاں "ہم نے"
۹	۱	افسانہ بھی ہے	افسانا بھی ہے	۲۹	۵	ڈالے کا	ڈالے گا
۹	۴	زندگی ہیں	زندگی ہیں	۳۵	۴	رضا دکھنے	رضا دیکھنے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۵	۱۴	کئے بغیر بھی کہنا پڑا گناہ کئے	کھڑے ہیں اہل ہوس زندگی تباہ کئے
۳۵	۱۵	تباہ	نباہ
۳۶	۸	مجھکو	مجھ کو
۳۹	۱۳	مجھے نہ	مجھے نہ
۴۰	۸	انبدا	ابتداء
۴۱	۶	بدننے	بدلنے
۴۱	۱۷	لالہ وگل	لالۂ وگل
۴۳	۸	کھینچی	کھینچتی
۴۴	۶	اصل ب	اصل طلب
۴۵	۳	نظرتا	فطرتاً
۴۵	۷	نوازوہیں	نوازو، ہیں
۴۶	۳	لالۂ وگل	لالۂ وگل
۴۷	۱۶	ہیں ہیں	ہیں، ہیں
۴۸	۱۲	دئے	دیئے
۵۰	۱	دلمیں ہے	دلمیں ہے
۵۰	۶	منزل ہیں	منزل نہیں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۰	۱۰	لالۂ وگل	لالۂ وگل
۵۱	۵	والے طوفاں	والے طوفان
۵۲	۳	ہنیں	نہیں
۵۵	۲	نبپا	نبھا
۵۸	۸	اپنی، دل	اپنی، دل
۶۰	۱	کھیلوں	کھیلوں
۶۰	۱۲	حقیقیت	حقیقت
۶۱	۱۰	غم آشباں	غم آشیاں
۶۲	۸	خود	خود
۶۴	۹	نوسب	تو سب
۶۴	۹	آشباں	آشیاں

نوٹ

حصۂ نثر میں صفحہ ۵ پر آخری شعر کے پہلے مصرعہ کا قافیہ اُگلتی ہے لیکن سہواً پیتی اشاعت پذیر ہوگیا ہے دیدہ وسنف حضرات صحت فرمالیں۔

مرتب

بناز ہا، اِسی ضمن میں قدرت کے اِس انتخابی شاہکار پر کس قدر نازاں ہوں کہ مقدمہ نگاری کے فرائض کے لئے عالی جناب محترمی ماجد علی حکیم صاحب مدظلہٗ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی (علیگ) جیسے ادیب کامل کو منتخب فرمایا۔ یقیناً یہ ہماری بہت بڑی خوش نصیبی ہے کہ قبلہ ماجد علی صاحب کی صدگونہ مصروفیتوں کے باوجود اُجالے کا معرکتہ الآراء مقدمہ سرانجام پا گیا۔ اس کے بعد میں اسے بھی بہ ہزار مسرت فیضانِ قدرت ہی کہوں گا کہ ازراہِ تبصرہ محبِ گرامی حضرت جوشؔ بدایونی متعین فرمائے گئے۔

مجموعۂ کلام یا صاحبِ کلام کے متعلق میرا کچھ کہنا سننا "چھوٹا منہ بڑی بات" کے مصداق ہوگا البتہ اس سلسلہ میں چند ضروری باتیں عرض کر دینا چاہتا ہوں۔

اُجالے کی ضخامت آپ کے روبرو ہے اس میں شک نہیں کہ قبلہ بھائی صاحب انجم فوقی مدظلہٗ کی تمام عمر خدمتِ شعر و فن میں صرف ہوئی اور آج بھی ان کے اوقات کا ایک غیر معمولی حصہ طالبانِ شعر و سخن کی تربیت میں گذر رہا ہے ارباب ادب کو ان سے یہ توقع یقیناً ہونا چاہیے کہ مجموعۂ کلام کافی ضخیم ہوگا لیکن اگر میں ایک والہانہ ضد اور حقوقِ برادرانہ کے تحت موجودہ کلام محفوظ کر لیتا تو زمانے کے سامنے یہ مختصر اوراق بھی نہ آتے بلکہ اور وضاحت کی جائے تو میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ اُجالے کو منظرِ عام پر لانے والے حضرات محترمی بی۔ آر۔ وہرا صاحب آئی۔ اے۔ ایس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مظفر نگر، محترمی بی۔ این۔ دہلن صاحب آئی۔ اے۔ ایس جوائنٹ مجسٹریٹ گنگا پور۔ (راجستھان) محترمی محمد اشفاق صاحب تحصیلدار آنولہ، محترمی علی مقصود صاحب چیئرمین میونسپل بورڈ بدایوں۔ محترمی لکشمی نرائن صاحب نائب تحصیلدار بدایوں، محترمی کشن چندر صاحب منصف بدایوں، محترمی کشمیر ناتھ صاحب شمر وکیل، محترمی جگدیش سرن صاحب وکیل سکریٹری کانگریس بدایوں، محترمی نہال الدین صاحب ایڈوکیٹ سابق ایم۔ ایل۔ اے، محترمی آنند پرکاش صاحب صدر سٹی کانگریس بدایوں، محترمی لچھمن پرشاد صاحب وکیل،

محترمی پریم چند صاحب جوہری وکیل، محترمی فخر عالم صاحب وکیل، محترمی کنور بہادر صاحب ہیں۔ انہیں تمام اربابِ ادب کے وقتاً فوقتاً پر زور و پُر خلوص تقاضوں نے اجالے کو زیورِ طباعت سے آراستہ کر دیا ورنہ میں لاکھ چاہتا لیکن بھائی صاحب قبلہ کو میرِ دستِ طباعتِ کلام منظور نہ ہوتی ۔۔۔ میں اپنے ان تمام مخلص و محسن حضرات کا بہ خلوصِ قلب شکر گذار ہوں۔

طباعتی مراحل، خانگی ذمہ داریاں، فرائضِ ملازمت کی انجام دہی اور میں تنہا، بقول مولانا ماہر القادری۔ ؏

شعلوں نے بہت کچھ ساتھ دیا پروانے تنہا کیا کرتے

لیکن اس کے باوجود میں نے بہ سلسلۂ کتابت و طباعت کافی دیکھ بھال کی ہے پھر بھی صحت نامہ کی نوبت آ گئی، چنانچہ مجموعۂ کلام کے ساتھ پیش کر رہا ہوں شاید اب بھی کہیں نظر چوک گئی ہو تو اربابِ فن و شعر سے معذرت خواہ ہوں کہ مجھے بخش دیں۔

نیرؔ صدیقی بدایونی

مورخہ ۵ اکتوبر ۱۹۵۳ء

انتساب

میں اپنے اس ادبی مجموعہ کو ایک مافوق الفطرت انسان، فرشتہ خصلت آقائی و مولائی حضرت قبلہ عبداللہ شاہ صاحب مدظلہٗ اور شہیدِ ادب علامی فوقی سبزواری کے ساتھ ساتھ والد ماجد قبلہ محترم مولوی نور محمد صاحب کے نام پر معنون کرتا ہوں۔

نیازمند

انجم فوقی بدایونی

فرشوری ٹولہ۔ بدایوں

۱۷ / ستمبر ۱۹۵۳ء

FOREWORD

It has been a real delight to me to have known that the Dewan of Hazrut Anjum Fauqi Budauni, is going to the press shortly. Huzrut Anjum is a poet of intrinsic merit undoubtedly but there is more in him than meets the eye ; for, to my mind, he is also a philosopher and a sage. And yet, it would not be quite correct to stress this aspect of his personality even a little too much. For in him, lies a rare virtue of mingling the noblest of thought with an elegant imagery and chaste diction. I should not be exaggerating if I say that few in this age have so perfect a command over so wide a range of vocabulary and a capacity of telescoping that vast grip of his in the most astonishingly short forms of metrical variations.

Neither his truly-lived philosophy, which is invariably incorporated in his poetry - Huzrut Anjum believes that each couplet, if truly descended, must con-

sume some part of the poet's mental and intuitive stamina - gets the better of his poetic refinements so as to make it apear a mere philosophical discourse nor does the dominant dignity of his diction preponderate over his Mahakat (the poetic softness of disposition) so as to obscure his refined imagery, thought and philosoply. In this respect, he rivals the best of judges, and this balance, which to my mind, raises a poet to the highest pedestal in firmament of poetry, is most clearly marked out in the poetry of Huzrut Anjum.

To those of us, who have had the privilege of knowing him intimately, Huzrut Anjum has a deeply melancholy and soft voice and a disposition of a throughly meek and gentle man - things which admirably suit the way of life he is pursuing.

I am confident that the book shall do real good to the world of Urdu poetry.

JUDGE'S HOUSE,
BUDAUN.
22—6—1952.

(Sd.) BRIJ NARAIN
Dist. and Sessions Judge,
BUDAUN.

مقدمہ

از عالیجناب راجا علی حکیم، ظلہ العالی، ایم۔ اے ایل۔ ایل۔ بی (علیگ)
(وکیل بدایوں)

جب نظم کائنات مکمل نہ ہو سکا
بڑھ کر خدا نے وقت نے آواز دی مجھے

دو رجناب صدر جھومنے لگے۔ تمام محفل احسنت و مرحبا کے نعروں سے گونج اٹھی اور میں سوچنے لگا کہ کتنا گھمنڈی ہے یہ شاعر اور کتنی خودی ہے اس میں کہ بے نظم کائنات "نامکمل نظر آئے ——— مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس وقت تو اس کا دعویٰ بے جا نہ نظر آتا تھا۔

بدایوں کلب کے وہ مشاعرے میں کبھی نہ بھلا سکوں گا۔ برج نرائن صاحب جب صدر تھے۔ جناب برج نرائن صاحب ڈسٹرکٹ جج بدایوں ——— اور بہ بنائے ذوق شعری مشاعروں میں بھی وہی صدر رہتے تھے۔ مشاعرے تو کیا مختصر سی محفلیں کہئے تقریباً ہر ہفتہ ایک نشست ہو جاتی۔ ایسی ہی اک صحبت تھی ——— اور موسم کچھ بے رنگ سا تھا۔

"حضرت انجم فوقی"

اور میں نے دیکھا کہ سانولی رنگت چہرے پر مختصر سی سیاہ داڑھی، ایک میانہ دبلا پتلا انسان سفید لٹھے کی شفاف ٹوپی اور لٹھے ہی کے کرتے اور تہمد میں ملبوس مسند کی طرف بڑھا۔ جناب صدر نے قدرے مائل بہ استادگی ہو کر مقدم کیا اور محفل ہمہ تن شوق بن کر سکوت میں کھو گئی۔

سانولی جلد سے قرمزی کرنیں پھوٹتی معلوم ہوتی تھیں. ماتھے پر نمازوں کا گٹّہ جیسے لَو دے رہا تھا۔ اور لباسِ نورانی کی ملکوتی عظمت، ایک عجیب رعب تھا ہر طرف محیط تھا۔ ہوائیں جیسے چلتے چلتے تھم گئیں اور ستاروں نے اپنا سفر ملتوی کر دیا۔

"اب تک ہے جس کا چاند ستاروں کو انتظار"

فضائیں جیسے زبانِ بے زبانی میں کہہ رہی تھیں

"اے سوزِ عشق چاہیے وہ روشنی مجھے"

یکایک ایک لحنِ داؤدی نے جاگنا شروع کیا۔ جیسے سکوتِ شام میں جھینگر کی مدھم موسیقی۔ جیسے کہیں دورِ آبشار نغمہ بار ہو اور جوں جوں شام کا سکوت گہرا ہوتا جائے یہ جھرنوں کا جل ترنگ اور اُجاگر ہو کر روح کی گہرائیوں میں اُترتا بستا چلا جائے اور رگ رگ میں بیخودی پیدا کر دے۔ مدہوش کن ٹھیس۔

غم بھی ورائے عشق، غمِ عشق بھی مجھے
ہے زندگی یہی تو نہ دے زندگی مجھے
سونپا ہے آپ ہی نے غمِ زندگی مجھے
یوں مسکرائیے کہ نہ آئے ہنسی مجھے
کھولی چمن نے آنکھ تو دنیا بدل گئی
جاگی شعاعِ مہر تو نیند آ گئی مجھے
جب نظمِ کائنات مکمّل نہ ہو سکا
بڑھ کر خدائے وقت نے آواز دی مجھے
اُس شمع کو سلام جو شعلہ نہ بن سکی

اُس تیرگی کی خیر جو چمکا گئی مجھے
اب تک ہے جس کا چاند ستاروں کو انتظار
اے سوزِ عشق چاہئے وہ روشنی مجھے
تجدیدِ بندگی کا سہارا لئے ہوئے
انجمؔ پکارتا ہے درِ بندگی مجھے

اور بے رنگیٔ موسم سوزِ نگارِ رنگ رنگ پھوٹنے لگے۔ اور بے ساختہ دل پکار اُٹھے
یوں لب کشا ہوئے کہ گلستاں بنا دیا

"جب نظمِ کائنات مکمل نہ ہو سکا" "تو" "میں" نے منبر پر نمودار ہو کر "نظمِ کائنات مکمل کر دیا" یہ تھی انجم فوقی سے میری پہلی ملاقات۔ اور میں نے جان لیا کہ آسمانِ شاعری پر ایک نیا ستارہ بہ ہزاراں شکوہ جلوہ گر ہوا ہے۔ ایک اور حسرتؔ ایک اور فانیؔ ایک اور اصغرؔ نے جنم لیا ہے۔

پھر تو اکثر ملاقاتیں رہیں اور ہر ملاقات مزید ملاقاتوں کے اشتیاق کی داغ بیل ڈال گئی۔ اور شوق و ربط یہاں تک بڑھا کہ جب کلامِ انجم کی تدوین شروع ہوئی تو اس سوال کے جواب میں کہ مقدمہ کس کا ہوگا انگلیاں میری جانب اُٹھنے لگیں۔ ہزار عذر کئے کہ میں ہمہ وقت مصروف انسان جسے وکالت کا پیشہ مرنے تک کی فرصت نہ دے کس طرح اس فرصت طلب خدمت کی حامی بھروں لیکن جو انگلیاں اُٹھ چکی تھیں اُنھوں نے سمت بدلنے سے انکار کر دیا اور با وجود عدیم الفرصتی اور کم مایگیٔ علم و ہنر کے اس بارِ گراں کیلئے مجھے خود کو تیار کرنا ہی پڑا میں جانتا ہوں کہ ابھی تو انجم صاحب و چند احباب کی انگلیاں میری جانب اُٹھیں ہیں لیکن اس خدمت کی انجام دہی کے بعد جو بہ کمالِ محبت میرے سپرد ہوا ہے زمانہ بھر کی انگلیاں مجھ پر اٹھیں گی لیکن ساتھ ساتھ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ یہ انگلیاں اُٹھانے والے اس حقیقت کے پیشِ نظر کہ میں نے یہ خدمت خود

شاعر تو نہیں صوفی کا تصوّف ہے مگر چونکہ شاعر ہیں انداز بیان کے اعتبار سے انکے فرمودات صوفیانہ گراں مایہ اشعار ہی رہتے ہیں مسائلِ صوفیانہ بن کر نہیں رہ جاتے۔ ان کے تصوّف میں خلوص ہے، ایک سوز، جسے انجم نے کہیں کہیں سوزِ عشق کہا ہے جس کی روشنی سے بہرہ یاب ہو کر انسان خودی کی حدوں کو پالیتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ

تمام نظمِ چمن میرے اختیار میں ہے

اور اس مقام کو پانے سے پہلے یہ کہہ سکنے کے قابل بننا ہوگا۔

وہ سوز دل میں چھپالے جو نوکِ خار میں ہے
یہ بات میرے سوا کس کے اختیار میں ہے

کیسے کیسے اچھے شعر نکالے ہیں

کہیں بہار سے بچ کر کہیں بہار میں ہے
تمام نظمِ چمن میرے اختیار میں ہے
چمن بخیر خزاں پردۂ بہار میں ہے
بہار ذوقِ تماشا کے انتظار میں ہے
قفس کی نوحہ گری آشیاں کا سنّاٹا
یہی تباہیٔ گل کس کی کمی بہار میں ہے

بہار کہ عدم بہار تمام صورتیں مظہرِ ذات ہیں منجملہ انجم یعنی "میں" اور جب یہ ادراک حاصل ہو جائے تو

تمام نظمِ چمن میرے اختیار میں ہے

لیکن اس منزل تک پہنچنے سے پہلے کن کن منزلوں سے گزرنا ہوگا ایک نظر ادھر بھی دیکھ لیجئے۔

ایک ہلکی سی خلش دل کی جگہ سینے میں
غیر محدود اضافہ ہے مرے جینے میں

یہی "ہلکی سی خلش" یا بہ الفاظِ دیگر "تجسس" یا "ذوقِ آگہی" وہ اضافہ ہے جس سے جینا جینا بنتا ہے اور اس "غیر محدود اضافہ" کے بعد

ہر نظر صرفِ تماشا ہے بہ سرکارِ جمال
ایک صورت ہو تو دیکھے کوئی آئینے میں

اور بالآخر

ایک حیرت تھی جسے اہلِ نظر بانٹ چکے
اب کوئی ان کے علاوہ نہیں آئینے میں

اس سمندر کو کوزہ میں موجزن دیکھنا ہو تو ملاحظہ کیجئے۔

کہاں کی معرفت کس کا تجسس کیسی حیرانی
مجھے پہچان لیں سب کچھ ملے گا اہلِ عرفاں کو

"ہلکی سی خلش" جب "خود شناسی" بلکہ "مبدل بہ سکون" ہو جاتی ہے تو آغوشِ اعتماد میں "شانِ انا" ملاحظہ فرمایئے۔

مجھے پہچان لیں سب کچھ ملے گا اہلِ عرفاں کو

کیسے اچھے شعر نکالے ہیں۔

محبت ایک لامحدود مجبوری سہی لیکن
یہی مختارِ فطرت بھی بنا دیتی ہے انساں کو
طلوعِ مہر کی نیرنگیوں میں کھو گیا انجم
تجلی گاہ کا رستہ بتا کر اہلِ عرفاں کو

خنک رات کی ردائے سرمگیں سے زرنگار کرنوں کا پھوٹنا اور افق کا زرنگار رنگ ہو جانا جن خوش نصیب وروں نے یہ منظرِ حسین دیکھا ہے وہ تصور کریں اس دیر و حرم جویائے حق کا جو تجلی گاہ کا متلاشی ہے جس کی نگاہیں تجلیٔ کامل کو اسیرِ مقامات دیکھنے کی

عادی ہیں، اور پھر شاعر کا تصور کریں جس کے تجلی گاہ کی جانب اٹھتے ہوئے قدم طلوعِ مہر کے جمالِ جاں افروز نے تھام لئے گر اس سے بڑھ کر منظرِ نو بہ مجرد اور کہاں ہو گا فانی تو

گرا کے قطرۂ شبنم گلوں کے دامن پر
تجلیات کے دریا بہا دیئے تو نے

کہہ کر خاموش ہو گئے مگر انجم پر "طلوعِ مہر" کا منظر دیکھ کر خود فراموشی طاری ہو گئی

طلوعِ مہر کی نیرنگیوں میں کھو گیا انجم

اور پھر بزعمِ خود اہلِ عرفاں کا استہزا کیسے لطیف پیرایہ میں فرمایا ہے

تجلی گاہ کا رستہ بتا کر اہلِ عرفاں کو
بڑھیئے اور سر دھنیئے، سر دھنیئے اور بڑھیئے، مگر سیری نہیں ہوتی۔

مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ رعنائی جمالِ طلوعِ مہر تک محدود ہے

جنھیں صحرا نے اپنایا نہ آغوشِ گلستاں نے
انہیں تنکوں سے پیدا کی بہارِ آشیاں ہم نے

ایک شعر اور سنیئے

کانٹے بھی شریکِ گلشن ہیں غنچوں کی طرف کیوں تکتے ہو
یہ پھول تو کھلتے رہتے ہیں یہ پھول تو کھل ہی جائیں گے

کائنات کی کوئی چیز ناچیز نہیں اور ایک مصرف رکھتی ہے جو صرف اسی سے مخصوص ہے۔ کیا خوب کہا ہے۔

جو مجرم ہیں نگاہِ باغباں میں
وہی تنکے تو نکھریں گے خزاں میں

ایک اور جگہ کہتے ہیں۔

بہاریں عارضی، نیرنگیٔ شبنم بہاروں تک
اگر یہ ہم نوازا ہے تو کانٹوں نے گلستاں کو

بہار ہو کہ خزاں، گل ہوں کہ خار، قفس کہ آشیاں، کیسے حقیر گردانا جا سکتا ہے جبکہ

قفس ہیں ہے نہ کوئی آشیاں ہیں
ہمیں تم ہیں حجابِ جسم و جاں ہیں

کس اعتماد اور یقین سے ارشاد ہوتا ہے

ہمیں تم ہیں فسانہ در فسانہ
کہاں تک خاک ڈالے گا زمانہ

اور یقیناً جب "ہم" ہوں کہ "تم" سب اس کے مظاہر ہیں اور وہ کہ زمانے کی دست برد سے بالا ہے، اس کے مظاہر امتدادِ زمانہ کے شکار کیسے ہو سکتے ہیں۔

یہ "ہم" اور "تم" کی حقیقتِ افسانہ بھی سن لیجئے

اس کی مرضی جو نمایاں وہ سر طور نہیں
عزم راسخ ہو تو مقصودِ نظر دور نہیں
اپنی تصویر پہ اکثر مجھے پیار آتا ہے
میری تصویر میں وہ بھی ہوں تو کچھ دور نہیں

کون ہے جو اپنی تصویر میں جاذبیت نہ محسوس کرے ہر چند کہ وہ کتنا ہی کم رو کیوں نہ ہو پھر یہ وجہ جاذبیت کیا ہے؟ وہی نورِ حقیقت کی جلوہ فرمائی، جو کہ ہمہ میں جاری و ساری ہے۔ اس حقیقت کو پانے کیلئے انجم کی نگاہِ نکتہ رس درکار تھی۔

لیکن شاعر ابھی حدودِ تشکک میں تھا اور جب منزل الیقین کو پا لیتا ہے تو عالم مشاہدہ ملاحظہ فرمایئے

افتراقِ عکس و جلوہ میرے مشرب میں نہیں
اپنی صورت دیکھتا ہوں اور نظر آتے ہیں آپ

کچھ اور شعر سُنیئے۔

تقدیری جستجو کا سبب اور کیا ہے
بس اتنا کہ اپنی خبر چاہتا ہوں
ذرا ہوشیار اے غرورِ تجلّی
میں اپنی طرف اک نظر چاہتا ہوں

اور

حجابِ تجلّی اٹھا کر تو دیکھو
سراپا تجلّی ہر اک آدمی ہے

اور آگے بڑھئے

رنگِ گل، شمعِ طور، شعلۂ حسن
کس تجلّی کا احترام کریں

یہ وحدت کی کثرت شاعر کی حیرانی بن جاتی ہے۔ وہ حیران ہے کہ
کس تجلّی کا احترام کریں

کس خوبصورتی سے ذوقِ نظر کو تلقین استقامت کی جاتی ہے۔

ہر قدم پر کوئی نظارہ اُبھار کر جا
اے ذوقِ نظر آپ ہی اٹھ جائیں گے پردے

وہ عالمِ تمنّا بھی دیکھئے کہ ابھی اصل حقیقت کے ادراک کا آغاز ہو رہا ہے

کوئی نہیں دیکھے جو تجلّی کی بہاریں
میں ہوں مجھے گنجائشِ پروازِ نظر دے

"اور گنجائشِ پروازِ نظر حاصل ہو جانے کے لیے ارشاد ہوتا ہے۔

بغیر نظر کیا اندھیرا اُجالا
بشرطِ نظر لطفِ شام و سحر ہے

اُجالے

اَب شام بھی شام ہے اور سحر بھی سحر

شبِ غم کی تاریکیوں سے گذر جا
کہ پھر اس کے آگے سحر ہی سحر ہے

شعر سنیئے

بھٹک نہ عکسِ تجلّی کی رَو میں دیوانے
نظر کہاں ہے نظر ہو تو ان کو پہچانے

اور پھر

ساری بہار آب و رنگ آپ کے دم قدم سے ہے
آپ نہیں تو کچھ نہیں انجمنِ نگاہ ہیں

وحدت الوجود کے اعلان کے لئے اس سے لطیف تر پیرایۂ بیان اور کیا ہو سکتا ہے: نگاہ ایک ورق سادہ ہے جو اپنی رعنائیٔ نقش و نگار کے لئے آب و رنگ کا محتاج ہے۔ یہ نگاہ "انجمن نگاہ" ہے اس لئے کہ اسے حُسنِ مطلق کا عکسِ جمیل میسّر ہے، ورنہ نگاہ کی انجمن آرائی معلوم۔

"رنگِ گل"، "شمعِ طور"، "شوالۂ حُسن"، یہ "اندھیرا۔ اُجالا"۔ یہ "لطیف شام و سحر" اور یہ "ہم" اور "ہم" "ہمہ اوست"۔ اور اس کے علاوہ "کچھ نہیں انجمن نگاہ ہیں" یہاں تک کہ نیز

تمہارا حُسنِ تخیّل انہیں کا عکسِ جمال
تمہارے شعر بھی انجم انہیں کے افسانے

افسانے کی بات آ گئی ہے تو افسانے سے متعلق ایک بات اور سُن لیجئے۔

"میرے فسانے" یہ کچھ اس طرح مسکرا دینا جیسے ارشاد ہو رہا ہے "اچھا! تو مجھ سے الگ یہ آپ کا فسانہ ہے؟" اور معاً آنکھوں کے سامنے سے پردۂ تعین کا ہٹنا اور رازِ درونِ پردہ کا بے نقاب ہو جانا کہ "میرے فسانے" کہ "ترے فسانے" زمانے بھر کے

اُجالے
افسانے سب انہیں کے افسانے۔ اس داستان کو اس طرح بیان کرنا جیسے آپ کی موجودگی میں مرتب ہوئی ہو نہ صرف یہ
بلکہ دماغی کیفیات بھی آپ کی نظروں میں رہی ہوں معمولی بات نہیں۔

مسکرا کر مرے فسانے پر
روشنی ڈال دی زمانے پر

مصوری کے شاہکار آپ کو مصور کے ذخائر میں نہیں شاعر کے خزینہ ہائے فرمودات میں ملیں گے۔ انجم کا یہ جبخرفی شعر اس دعوی کا اٹل ثبوت ہے۔

"مرے فسانے سے متعلق ایک شعر اور ملاحظہ ہو۔

حاصلِ ذکر ہو تمہیں لیکن
ابتداء ہے مرے فسانے سے

یہ جہانِ رنگ و بو اور ہم کہ منجملہ مخلوقات ہیں۔ اشارہ کناں ہیں کہ کوئی خالق ہے جبھی غلط بھی کیا ہے کہ

حاصلِ ذکر ہو تمہیں لیکن
ابتداء ہے مرے فسانے سے

یعنی مخلوق کے فسانوں سے خالق کے اذکار مرتب ہوتے ہیں مخلوق نہ ہو تو خالق کیسے پہچانا جائے۔

تخلیقِ کائنات کی غرض و غایت کیا ہے؟ اس مسئلہ پر حکیم و فلسفی ہمیشہ سے طبع آزمائیاں کرتے آئے ہیں اور کرتے رہیں گے شاعر کے نزدیک کائنات اور اس کے مظاہر صد ہزار رنگ اس غرض و غایت کو پورا کرتے ہیں کہ خلاقِ اعظم ان آئینوں میں اپنی شانِ خالقی کی رعنائیوں کا نظارہ فرمائے۔
ملاحظہ کیجئے۔

آئینہ بن کے تیرے سامنے آؤں کہ نہیں
تیری تصویر تجھے یوں بھی دکھاؤں کہ نہیں

یعنی اگر تیرے نزدیک نظارۂ جمال کے لئے میرا وجود بطور آئینہ کار آمد ہے تو ہیں حاضر ہوں۔ ترکیب استفہامیہ نے شعر کی لطافت میں اور اضافہ کر دیا ہے۔

آسمان زمین پیدا کئے گئے۔ دوزخ جنت چاند ستارے پیدا کئے گئے۔ سمندر دریا پہاڑ پیدا کئے گئے ان کا وجود خلاق اعظم کی داستان مکمل کرتے تو کرے لیکن معبود مطلق کی داستان ہنوز تشنہ تکمیل اور یہی وجہ نظم کائنات بھی تشنہ تکمیل۔

جب نظم کائنات مکمل نہ ہو سکا
بڑھ کر خدا نے دوڑ کے آواز دی مجھے

اور عبد کی تخلیق نے داستانِ معبود و نظم کائنات کا تکملہ فرما دیا۔

اس اہمیت کا شعور ملاحظہ فرمایئے۔

ایک تجلی دو عالم
ان دونوں کا حاصل ہم

مسائل تصوف ہوں کہ فلسفہ و حکمت کے نکتہ ہائے راز آپ نے دیکھا کہ شاعر کا خامہ رنگین نگار تخیل کا آب و رنگ اور پیرایہ بیان کی دلکشی دے کر ان خشک مباحث کو بھی کیسے حسین اشعار میں ڈھال دیتا ہے۔ ایسے حسین اشعار کہ ان کی تجلی سے دل و دماغ روشن ہو جائیں۔

ایک شعر اور ملاحظہ ہو۔

لیلیٰ کی سانولی سلونی صورت میں حسن کی تجلیاں جو دفعتاً ہر نگاہِ عالم سے مخفی تا آنکہ نگاہ قیس نے پروانہ وار حسن لیلیٰ پر تصدق ہونا شروع کر دیا۔ مجنوں کی وارفتہ نگاہی نے ایک عالم کی نگاہوں کو حسن لیلیٰ کا ادراک کرا دیا اور دیکھتے دیکھتے ہر گوشۂ دل جمال لیلیٰ سے منور ہو گیا حسن و عشق لازم و ملزوم میں عشق نہ ہو تو حسن کی جلوہ آرائی معلوم اس رابطِ لطیف کو شاعر نے لیلیٰ و مجنوں نہیں شمع پروانے کے پردے میں ایک حسین استعارے کی مدد سے کس حسن ادا سے پیش کیا ہے۔

پیرِ تو حسن سے رونق نہ ہوئی بزم حیات
اس لئے جوش جلایا گیا پروانے کا

"خون جلایا گیا پروانے کا" کی تعریف حد امکان سے باہر ہے۔

فلسفہ و حکمت کو شعر و شاعری کی زیب و آرائش کے لئے غالب نے دریافت فرمایا لیکن نااہل ہاتھوں میں اس دریافت کی کتنی مٹی پلید ہوئی اس سے کون واقف نہیں غالب فلسفی تھا اور شاعر بھی اور کئی زبانوں کا ماہر بھی۔ آخر الذکر خوبی نے اسے اظہار خیالات کے وسیع وسائل پر قادر بنا دیا تھا اور یہ وسائل اس کے فن کار ہاتھوں میں اس کی شاعرانہ فطرت سے آب و رنگ لے کر معجزات بن جاتے تھے اور ان خیالات کو جن کے اظہار کے لئے انھیں استعمال کیا جاتا تھا عام سطح سے کہ وہ بجائے خود رنگین ہوں کہ نہ ہوں، لطافت و رنگینی کے مرقع ہائے دل آویز میں تبدیل کر دیتے تھے اسی شاعر اعظم کا شعر ہے۔

ہاں کھائیو مت فریب ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

فانی کہتے ہیں

ہے کہ فانی نہیں ہے کیا کہئے
راز ہے بے نیاز محرم راز

غالب کے نزدیک ہستی ایک فریب محض ہے اس لئے وہ اہل دنیا کو متنبہ کرتے ہیں کہ

ہاں کھائیو مت فریب ہستی

جیسے فراز منبر سے وعظ فرمایا جا رہا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ مصرعۂ ثانی میں ترتیب الفاظ سے جو حُسن پیدا کر دیا گیا ہے اگر نہ ہوتا تو شعر کو شعر کہنا شعر کی توہین سی نظر آتی۔ "ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے" غالب کی آبرو بچا لے گیا۔

اب رہا شعر فانی تو جناب پروفیسر رشید احمد صدیقی کے نزدیک فانی کے شعر میں جو تشکک کی شان پائی جاتی ہے وہ غالب کے شعر کی قطعیت کے مقابلہ میں شعر کو بہت بلند کر دیتی ہے اور بقول ان کے "راز" کو بے نیاز محرم راز بتا کر

فانی نے شعر میں شعریت اور حُسن بیان کا بہترین نمونہ پیش کر دیا ہے۔
رشیا صاحب کی رائے سے مجھے اتفاق نہیں (تھی) ہے کہ فانی نہیں ہے"
اس کو رازو ار دیگر فانی کا یہ ارشاد کہ یہ "راز ہے بے نیازِ محرم راز" میرے
نزدیک گویا یہ کہنا ہے کہ بھئی اس بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں یہ زو گردانی شاعر
کو زیب نہیں دیتی۔ اور یہاں تو یہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ "ہے کہ فانی نہیں ہے" کس چیز
کے بارے میں ارشاد ہو رہا ہے۔ کہا جائے گا کہ فانی کے بارے میں۔ تو "فانی" کہ
کے بجائے نہیں پہلے آنا چاہئے تھا بلاغت اسے نہیں کہتے کہ اختصار سے مفہوم ہی نا پید
ہو جائے شعر غالب میں یہ خامی نظر آئے گی غالب کا شعر واضح اور جامع ہے۔
اور صرف مصرعہ بہم پہونچانے کی خاطر "راز ہے بے نیازِ محرم راز" جیسی چیز
بھی آپ کو اس میں نہیں ملے گی۔
ہستی فریب محض ہے ایک سراب بے حقیقت جسے کوتاہ نظر آب رواں
تصوّر کرتے ہیں حالانکہ یہ محض سراب ہے۔ ایک شعبدۂ فریب نظر۔
دونوں شعراء نے اسی موضوع پر طبع آزمائی فرمائی ہے۔
غالب کا شعر ان کے اپنے مشاہدہ یا محسوسات کا نتیجہ نہیں بلکہ معلوم ایسا ہوتا ہے
کہ سُنی سنائی بات کو مصرعے موزوں کر کے شعر کی صورت دیدی گئی ہے اور اسی لئے
خلوص سے محروم اور بہ اعتبار شعریت غالب کے شایانِ شان نہیں۔ تاہم مصرعہ ثانی۔
"ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے" اپنی خوبیٔ ترکیب و بے ساختگی و برجستگی کے ساتھ
تا دیر آپ کے کانوں میں ایک لطیف گونج پیدا کرتا رہے گا۔
شعر فانی ایک طرف تو بے جا طور پر مختصر ہے اور دوسری طرف بے جا طور پر
طویل اور شعر غالب سے بہت پیچھے۔
انجم کا ایک شعر سُنیئے۔

ہر چیز یہاں شعبدۂ وہم و یقیں ہے
دُنیا کا یہ عالم ہے کہ ہے اور نہیں ہے

"دُنیا کا یہ عالم ہے کہ ہے اور نہیں ہے" یعنی ہے اگر آپ کے وہم و یقین کا تقاضا ہے کہ ہے اور نہیں ہے اگر آپ کے وہم و یقین کا تقاضا ہے کہ نہیں ہے۔ کیونکہ

ہر چیز یہاں شعبدۂ وہم و یقیں ہے

حاصل کلام یہ کہ نہیں ہے۔

کس قدر مکمل شعر ہے جسے کسی اعتبار سے تشنہ نہیں کہا جا سکتا۔ جو کچھ کہنا تھا کس خوبصورتی سے کہا ہے اور کس قدر جامعیت کے ساتھ۔ اور بالخصوص ہے اور نہیں ہے اور شعبدۂ وہم و یقیں کے ٹکڑوں نے شعر کو بلاغت اور ارفع شعریت کا کتنا اچھا نمونہ بنا دیا ہے۔

غالب اور فانی کا نفس مضمون شاید ایک ہی اور انجم کا نفس مضمون بھی وہی غالب کی جو تعریف پہلے کر آیا ہوں وہ دراصل ایک کامیاب صاحب فکر و نظر شاعر کی تعریف ہے اور دیکھنا یہ ہے کہ کون اس تعریف کی روشنی میں اپنے فرض تخلیق شعر سے عہدہ برا ہو سکا ہے اور بالآخر اس نتیجہ پر آ کر کس قدر خوشی ہوتی ہے کہ غالب اور فانی کا سلسلہ انجم کے دم سے ابھی سلامت ہے۔

لطافت خیال و بیان۔ انجم ایک لطیف گو شاعر ہیں اور ان کی لطیف گوئی کا راز ان کی لطافت طبع و بیان میں مضمر ہے ان کے کلام میں آپ کو پاکیزگی خیال اور انداز بیان کی لطافت کا ایک حسین امتزاج کار فرما ملے گا۔ اس ہم آہنگی خیال و بیان نے اشعار انجم کو ایک تاثر بخشا ہے جو سامع پر وجد طاری کر دیتا ہے۔

محبوب کی مفارقت گرد و پیش میں ایک خلا پیدا کر دیتی ہے۔ ایسا خلا جو سب کچھ ہوتے ہوئے بھی برقرار رہتا ہے اور زندگی ویران نظر آتی ہے۔

اصغر کا شعر سنیئے۔

یوں تو سب کچھ ہے مگر ایک نہ ہونے سے ترے
سونا سونا نظر آتا ہے مرا گھر مجھ کو

اور اب انجم کا حُسنِ بیان بھی ملاحظہ فرمائیے۔

ساری بہارِ آب و رنگ آپ کے دم قدم سے ہے
آپ نہیں تو کچھ نہیں انجمنِ نگاہ میں

اصغر کا یہ شعر میرے منتخب اشعار میں سے ایک ہے اور اس میں شک نہیں کہ خوب ہے مگر انجم ہی خیال کی مصوری کرتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ زمین آسمان سے جا ملتی ہے۔ ذرا میرے استاد محترم قبلہ رشید صاحب ہی کے اصول پر اصغر کے مصرعۂ اولیٰ کو انجم کے مصرعۂ اولیٰ اور اصغر کے مصرعۂ ثانی کو انجم کے مصرعۂ ثانی کے برابر رکھ کر ملاحظہ فرمایئے۔

یوں تو سب کچھ ہے مگر ایک نہ ہونے سے ترے — اصغر
ساری بہارِ آب و رنگ آپ کے دم قدم سے ہے — انجم

سونا سونا نظر آتا ہے مرا گھر مجھ کو — اصغر
آپ نہیں تو کچھ نہیں انجمنِ نگاہ میں — انجم

فرق آپ کی نگاہوں پر واضح ہو جائے گا۔ حقائق اپنی جگہ ہیں اور شعر اپنی جگہ اصغر کے شعر میں تاثر ہے مگر صرف چوٹ کھائے دل کے لئے مگر انجم بلا تفریق ہر سامع کو متاثر کرتا ہے حق تو یہ ہے کہ "بہار آب و رنگ" اور "انجمن نگاہ" کی شعریت و معنویت نے شعرِ انجم کو ایک پیرہن بنا دیا ہے جو دماغ پر نشہ طاری کر دیتا ہے اور سب کچھ ہے کے مفہوم کو بھی "انجمن نگاہ" کی جدّت ترکیب سے ادا کر دیا اکس قدر حسین پیرایۂ بیان ہے۔

آہ وزاری اور واویلا شانِ عاشقی کے منافی ہے جگر نے اس مفہوم کو کس حسن و خوبی سے کہا ہے۔

نالہ پابندِ نفس ہے دلِ ناشاد نہیں
یہ تو فریاد کی توہین ہے فریاد نہیں

جگر نالہ و فریاد سے بیزار نہیں بشرطیکہ سلیقہ سے ہو۔ ان کا کہنا ہے کہ نالہ شور و غوغا کی صورت اختیار نہ کرے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ اے دلِ ناشاد تیرے نالے رہینِ نفس نہ ہونے پائیں یعنی سُننے میں نہ آئیں کیونکہ یہ آواز نالہ و فریاد کی توہین ہے۔ ان کے نزدیک نالہ و فریاد میں تو مضائقہ نہیں بشرطیکہ یہ فریاد خاموشی کی حد سے متجاوز نہ ہونے پائے۔

اب انجم کا شعر ملاحظہ کیجئے۔

طلبِ دید بہ توہینِ طلب کون کرے
صبحِ فردا کے لئے نالۂ شب کون کرے

انجم کے یہاں نالہ سرے سے ممنوع ہے۔ وہ نالوں کو نہ صرف فریاد بلکہ خود طلب کی توہین تصور کرتے ہیں طلبِ دید میں نالہ و فریاد پر آجانا گویا طلبِ دید کی توہین کرنا ہے۔ جگر فریاد کی توہین سے بہ احتیاط مگر انجم کے مشرب میں فریاد کی گنجائش ہی نہیں۔ "کون کرے" کی ردیف نے جو لطافت پیدا کی ہے اس سے صاحبِ ذوق ہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں اور "صبحِ فردا" اور "نالۂ شب" کا سہارا لے کر تو شاعر نے پیچ پیچ تاروں کو چھو لیا ہے۔

جگر کا ایک شعر اور سنیئے۔

ترے عشق کی اُف رے سرمستیاں
کوئی جیسے پی کر شراب آگیا

عاشق ہوش میں ہے نہ بے ہوش ہر وقت تصورات میں کھویا کھویا رہتا ہے اور یہ استغراق کا عالم ہر وقت ایک سرور سے ہم کنار رکھتا ہے اس کیفیت کو شرابی کی بدمستی سے کہاں تک مناسبت ہے؟ لیکن اس میں شک نہیں کہ انجم کی تصویر۔

جیسے کوئی نیند میں ہو

حقیقت سے بہت قریب ہے
آنکھیں نیم وا، چشم تصور کشادہ اور جمالِ جاں افروز کی لطافتوں سے دل و دماغ سرشار۔

عشق کا عالم کیا کہیئے
جیسے کوئی نیند میں ہو

"عشق کا عالم کیا کہیئے" یوں سمجھ لیجئے "جیسے کوئی نیند میں ہو۔" "اُف رے" اور "کیا کہیئے" کے فرق کو ذوقِ سلیم ہی محسوس کرے گا۔ اور طرزِ ادا کی بے تکلفی اور برجستگی نے تو شعر کو کیا کچھ بنا دیا۔

مسلکِ عشق امتیازِ کفر و ایمان سے بالا اور آزادِ دیر و حرم ہے شعراء ہمیشہ سے اس مسئلہ کو موضوعِ شعر بناتے آئے ہیں اور تقریباً ناممکن ہو گیا ہے کہ اس مضمون کو لیکر شعر میں ندرت پیدا کی جاسکے۔

رکھ دیئے دیر و حرم سر مارنے کے واسطے
بندگی کو بے نیازِ کفر و ایماں کر دیا

اصغر نے "رکھ دیئے دیر و حرم سر مارنے کے واسطے" کہہ کر ایک پیرایۂ بیان نکالا اب ذرا انجم کو ملاحظہ فرمایئے۔

قیدِ مقام بندگی عشق کے درمیاں نہیں
دیر و حرم کی کشمکش ہو گی کہیں یہاں نہیں

مسالکِ عشق قیدِ مقام بندگی سے آزاد اور دیر و حرم کی کشمکش سے بالاتر کتنی ہی بار کہی ہوئی بات مگر پیرایہ بیان کی جدت اور طرفگی نے اسی پرانی بات کو کتنا دل آویز بنا دیا شعر اصغر سُن کر ممکن ہے کہ بے ساختہ کیوں آپ کے لبوں پر آ جائے؟ مگر شعر انجم نے اس کیوں کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑی ہے اور مصرعہ ثانی میں "ہو گی کہیں یہاں نہیں" نے لطف بیان کی جو طرفگی پیدا کر دی ہے اس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔

اصغر کا ایک شعر ملاحظہ فرمایئے۔

بھر گئی آنکھوں کے نیچے وہ نگاہ برقِ حسن
چیخ اٹھے سب ہر اک چاکِ گریباں دیکھ کر

عاشق کا گریبان ہمیشہ سے شعراء کا تختہ مشق رہا ہے۔ چنانچہ اصغر کا چاک گریبان دیکھ کر دیکھنے والوں کی آنکھوں کے نیچے نہیں آنکھوں میں یا آنکھوں کے سامنے نگاہِ برقِ حسن پھر گئی کہ یہی باعث چاکِ گریباں تھی۔ "اٹھے" تشدید کے ساتھ غلط تو یہ میں نہیں کہتا بلکہ بعض جگہ تو اُٹھے مشدّد ہی لطف دیتا ہے لیکن کہاں اُٹھے مشدد ہونا چاہئے اور کہاں غیر مشدد اس کا فیصلہ ہمیشہ محلِ وقوع و موضوعِ شعر پر منحصر ہو گا مگر از کم یہاں کیا یہ لحاظ محل و وقوع اور کیا یہ اعتبار موضوع اپنی صوتی کرختگی کے باعث سماعت پر گراں گذرتا ہے اور سارے شعر میں یہی ایک مقام ہے جہاں مذاقِ سلیم ٹھوکر کھاتا ہے "چیخ اٹھے سب" کی جگہ "چیخ اٹھی دنیا" اور "آنکھوں کے نیچے" کی بجائے "آنکھوں کے آگے" بھی کہا جا سکتا تھا اور شاید مصرعہ ثانی اس طرح زیادہ رواں اور مصرعہ اولیٰ سقم سے پاک ہو جاتا۔ مگر اس تجویز سے میرا یہ مطلب نہیں کہ میں خاکم بدہن خود کو اصلاح کا اہل سمجھتا ہوں اگر مجھ سے کہا جائے کہ ایک شعر اس پایہ کا نہیں معمولی ہی سا پیش کرو تو یقین جانیئے میں بغلیں جھانکتا نظر آؤں گا۔ ایک بات بے ساختہ زبانِ قلم سے نکل گئی ہے اور

"منہ سے نکلی ہوئی پرائی بات"

آمادہم بر سر مطلب اصغر صاحب کا چاک گریباں اس نگاہِ برقِ حسن کا کرشمہ ہے اور اس لنیت لطیف کے باوجود

تڑپ اُٹھے سب مرا چاک گریباں دیکھ کر

لیکن انجم کے ساتھ معاملہ ذرا مختلف ہے۔ انجم کا چاکِ گریباں ان لنیت لطیف کے باعث انجم کو عزیز ہے:

شعر ملاحظہ ہو۔

آپ کے طرزِ تبسم کا سہارا لے کر
آ گیا راس مجھے چاک گریباں ہونا

"نگاہِ برقِ حسن" اور طرزِ تبسم کے فرق کو آپ محسوس کر لیں گے طرزِ تبسم کا سہارا لے کر چاک گریباں کا راس آ جانا کتنا لطیف خیال اور کتنا حسین پیرایہ بیاں ہے۔ لطافتِ خیال اور لطافتِ بیان کا ایسا حسین امتزاج کم دیکھنے میں آئے گا شعر کیا ہے ایک مترنم سحر جو دل و دماغ اور سامع کو سرشار کر دیتا ہے۔

غالب کا شعر ہے

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا

اصغر نے دامن کو گریبان کا سہارا لے کر اپنے خیال کو کتنا لطیف تر بنا دیا ہے

سو بار ترا دامن ہاتھوں میں مرے آیا
جب آنکھ کھلی دیکھا اپنا ہی گریباں تھا

اب ذرا عالمِ خواب سے عالمِ بیداری میں تشریف لے آیئے دامن و گریباں نے کتنا اونچا شعر انجم کو بخشا ہے۔

غمِ عصیاں سہارا چاہتا ہے انکے دامن کا
مگر جب ہاتھ پڑتا ہے تو اپنے ہی گریباں پر

اصغر نے عالمِ خواب میں سو بار ان کے دامن تک دسترس پائی مگر جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اپنا ہی گریبان پکڑے ہوئے ہیں نتیجہ وہی نامرادی و مایوسی بگر انجم کا عالم اور ہے وہ دامن کی طرف دستِ شوق دراز کرتے ہیں مگر ان کا دامن تھامنے کی بجائے غیر اختیاری طور پر خود اپنا گریبان پھاڑنے لگتے ہیں "مگر جب ہاتھ پڑتا ہے" یہ ٹکڑا معنویت کے اعتبار سے کتنا بے پناہ ہے۔ ذوق و شوق کی جو مصوری انجم نے کی ہے اُس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔

شاعرانہ مصوری جگر کا ایک مطلع ہے جسے فنِ مصوری کا شاہکار کہا جائے تو بجا ہوگا۔

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی نظر میں اب تک سما رہے ہیں
یہ چل رہے ہیں وہ پھر رہے ہیں یہ آ رہے ہیں وہ جا رہے ہیں

انجم کا بھی ایک مطلع ملاحظہ ہو۔

بھولنے کا قصد کرتا ہوں تو یاد آتے ہیں آپ
یوں بھی اکثر التفاتِ خاص فرماتے ہیں آپ

بھولنے کی کوشش پر بھی یاد آئے جانا التفاتِ خاص نہیں تو اور کیا ہے۔ کتنا لطیف خیال ہے۔ یہ التفاتِ خاص کا پہلو انجم ہی کا حصہ ہے منجملہ اور الطاف و عنایات کے محبوب کا ایک اندازِ التفات یہ بھی ہے اس مفہوم کو صرف "یوں بھی" کے اضافہ سے ادا کر دیا ہے اور "اکثر" نے جو ایک ناقابلِ بیان حسن شعر کو دیا ہے اسے وجدان ہی محسوس کر سکتا ہے۔

یہ التفاتِ خاص ہمیں تک محدود نہیں، بلکہ کچھ ایسی ہی صورت کبھی کبھی اُدھر بھی

پیش آجاتی ہے کہ بیگانہ پن کے باوجود "تصور کے لئے تصویر بن جاتے ہیں آپ"

ہیں تو بیگانہ نہ ہوں کس کو یاد فرماتے ہیں آپ
کس تصور کے لئے تصویر بن جاتے ہیں آپ؟

کیسا انجان بن کر استفسار ہو رہا ہے۔ "کس تصور کے لئے تصویر بن جاتے ہیں آپ" اور اس طرح "کس کو یاد فرماتے ہیں آپ" شاعر کو احساس ہے کہ یہ سب اسی کے لئے ہے اور یہ جی ہوتا ہے کہ انہیں بتا بھی دے کہ مجھے سب معلوم ہے اس پس منظر کے ساتھ "ہیں تو بیگانہ ہوں" کہہ کر ان کے بہ ظاہر بیگانہ پن پر کتنے لطیف انداز میں طنز کیا ہے۔ اس لطیف شوخی کی داد نہیں دی جا سکتی۔ کتنا وسیع مضمون ایک شعر میں سما دیا ہے اور کس جامعیت کے ساتھ۔ اور یہ "کس تصور کے لئے تصویر بن جاتے ہیں آپ"۔ کس قدر خوبصورت پیرایہ بیان ہے۔

شاعر از راہِ شوخی یا ہجومِ آلام میں موت کو پکارتا ہے کہ شاید وہی وجہ نجات ثابت ہو اور وہ کہ بہ ہزاراں متانت بیگانہ و بے نیاز بنے ہوئے ہیں گھبرانے لگتے ہیں اور یہ گھبراہٹ باوجود اس بیگانگی و متانت کے چھپائے نہیں چھپتی۔ شاعر نے اس کیفیت کو بلندی سے وفا کی قدر فرمانا کہا ہے کتنا لطیف خیال ہے اور پیرایہ بیان لطیف تر۔

موت کو آواز میں دیتا ہوں گھبراتے ہیں آپ
کس بلندی سے وفا کی قدر فرماتے ہیں آپ

اس شعور نے کہ وہ متاثر ہیں شاعر کو کیسی کیسی امیدوں سے ہمکنار کرنا شروع کر دیا ہے تصورات کا عالم ملاحظہ فرمایئے۔

مضمحل چہرہ نمی آنکھوں میں اور میرے لئے
غور کرتا ہوں تو یوں بھی یاد آجاتے ہیں آپ

یہی وہ مقام ہے جہاں مصوری کان پکڑ کر الگ کھڑی ہو جاتی ہے اور جہاں سے شاعر کے

حادو شروع ہوتے ہیں شاعر کی آنکھیں نہ صرف شواہد بلکہ جذبات کیفیاتِ دل و دماغ کو بھی بے نقاب دیکھتی ہیں اور وہ لطافتِ تخیل کی رنگ آمیزی سے بے مثل تصاویر تیار کر دیتا ہے۔ انجم کی یہ غزل شاعرانہ مصوری کا بہت اچھا نمونہ پیش کرتی ہے۔

یہ شاعرانہ مصوری انسانی جذبات و کیفیات پر آکر نہیں ٹھہر جاتی بلکہ اس کا دائرہ وسیع ان تخیلی تاثرات کو بھی پیش کرتا ہے جن سے متاثر انسان اپنے تاثرات کی روشنی میں غیر ذی روح اشیاء کو دیکھتا ہے۔ یہ غیر ذی روح اشیاء کے تاثرات انسان کے اپنے تاثرات ہیں لیکن شاعر کچھ اس انداز سے اس کیفیت کو پیش کرے گا کہ آپ کے دل و دماغ پر یہی تاثر مرتب ہوگا کہ زمین، آسمان، باغ و بہار بھی اسی کیفیت سے سرشار ہیں۔ جس نے خود شاعر پر ایک کیفیت طاری کر دی ہے۔

حسن کی سحر کاری سے انسان تو انسان غیر ذی روح اشیاء تک متاثر ہوتی ہیں۔ سحرِ حسن کی ہمہ گیری ان اشیاء کے سہارے کس لطافت سے بیان ہوتی ہے کہ آپکی روح تک سرور محسوس کرنے لگتی ہے یہ حقیقت ہے کہ محض آپ کا حسنِ تخیل، جو بھی آپ سمجھیں لیکن اس میں شک نہیں کہ جب آپ مسرتوں سے سرشار ہوں گے تو دُنیا کی ہر چیز نشۂ مسرت سے جھومتی نظر آئے گی۔

محبوب کے حُسنِ تبسم نے اصغر پر ایک کیفیت طاری کر دی اور اس کے تاثر سے ان کا روّاں روّاں مُسکرا اُٹھا اور اس عالم میں انھیں دُنیا کی ہر چیز مُسکراتی نظر آتی ہے۔

شعر ملاحظہ ہو

یوں مُسکرائے جان سی کلیوں میں پڑ گئی
یوں لب کشا ہوئے کہ گلستاں بنا دیا

ان کے سحرِ تبسم نے ایسی روح پھونکی کہ کلیاں انگڑائی لے کر بیدار ہوگئیں اور مُسکرا اُٹھیں اور نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں کلیاں تھیں وہاں گلستاں نمودار ہوگیا۔ کتنا لطیف حُسنِ تخیل ہے۔

لیکن ترکیب الفاظ سے جو مفہوم پیدا ہوتا ہے وہ شاعر کے تخیل سے قدرے مختلف معلوم ہوتا ہے۔ "یوں مسکرائے" "کہ جان سی کلیوں میں پڑ گئی" الگ بات اور "یوں لب کشا ہوئے کہ گلستاں بنا دیا" دوسری بات ـــ مسکرانا اور لب کشا ہونا دونوں جدا فعل ہیں چنانچہ ان کے نتائج بھی یعنی "جان سی کلیوں میں پڑ گئی" اور "گلستاں بنا دیا" ایک دوسرے سے غیر متعلق اور آزاد نتائج ہیں۔ "یوں" کی تکرار سے بھی اس شبہ کو مزید تقویت پہنچتی ہے۔ ایسی صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ ان کے انداز تبسم کے سحر سے "جان سی کلیوں میں پڑ گئی" اور جب لب کشا ہو کر انہوں نے کچھ ارشاد کیا جس کے سحر نے "گلستاں بنا دیا" حالانکہ شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کلیوں کا مسکرا کر پھول بن جانا اور اس طرح کلیوں کی جگہ گلستاں نمودار ہو جانا ان کے حسن تبسم کا کرشمہ ہے۔

بہر کیف ترکیب سے قطع نظر شعر بہ اعتبار خیال و انتخابِ الفاظ لطیف نہیں بہت لطیف اور حسین ہے۔

اب مقطع کی باری ہے

چمن میں جانِ بہاراں کی آمد آمد ہے طلوعِ صبح کی اولین ساعت میں جب اُفق سے ریزشِ انوار کا آغاز ہے اور صبح نورانی برقِ نگاہِ حسن کی ضو پاشیوں سے اور بھی نورانی ہوئی جا رہی ہے۔ یہ عالم شاعر پہ مدہوشی سی طاری کر دیتا ہے اور وہ عالمِ وجد میں گنگنا اُٹھتا ہے۔

جلوۂ صبح سے جیسے ان کی نظر ملتی ہے

اور جھومتی ہوئی شاخِ گل اسے نشۂ مسرت سے سرشار جھومتی نظر آتی ہے۔ وہ گنگناتا ہے۔

بے ہلائے ہوئے ہر شاخِ چمن ہلتی ہے

کتنا اچھا شعر تخلیق ہوا ہے۔

جلوۂ صبح سے جب ان کی نظر ملتی ہے
بے ہلائے ہوئے ہر شاخِ چمن ہلتی ہے

یادِ ایام کہ بہ زمانۂ قیام علی گڑھ حضرت سید سلیمان ندوی سے ایک ادبی گفتگو کے دوران میں میں نے داغ کی شاعرانہ عظمت کے سلسلہ میں عرض کیا تھا کہ داغ جو کچھ بھی کہتے ہیں کچھ اس کمال سے کہتے ہیں کہ جن تاثرات کے زیرِ اثر انہوں نے شعر کہا ہے وہی تاثرات سامع پر طاری ہو جاتے ہیں۔ حضرت سلیمان ندوی کی رائے تھی کہ شاعرانہ عظمت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ شاعر کا نفسِ مضمون عامیانہ اور سوقیانہ نہ ہو اور اس بنا پر اُن کے نزدیک داغ کی جگہ شعرائے اُردو کی صفِ اولین میں نہیں۔ آج میرا موضوعِ گفتگو داغ نہیں انجم ہے اور یہ تعریف ایک اچھے شعر کی میں نے اس وقت پیش کی تھی سید صاحب کی ترمیم کے ساتھ اس تعریف کا پورا پورا اطلاق انجم کے اس شعر پر ہوتا ہے آپ دیکھیں گے کہ شاعر کی مصوری نے نہ صرف وہ منظر آپ کی آنکھوں کے روبرو کر دیا بلکہ کہنا یہ چاہئے کہ شاخِ چمن کا سہارا لے کر شاعر نے وہ جذبات بھی آپ کے سامنے بے نقاب کر دیئے جو شاعر کے اپنے دل میں موجزن تھے آپ محسوس کریں گے کہ شاعر نہیں آپ خود ہی ان کیفیات سے گذر رہے ہیں اور شعر والہانہ آپ کی زبان پر جاری ہو جائے گا۔ آپ بار بار پڑھ کر بھی سیری حاصل نہ کر پائیں گے۔ انجم کا یہ شعر لطافتِ خیال و ندرتِ ادا کی کتنی ارفع مثال پیش کرتا ہے۔

اسی نوع کا ایک شعر اور ملاحظہ کیجئے۔

بہر رنگ اشکِ وفا رنگ لائے
چھپے ہم تو شبنم نے آنسو بہائے

جب دل پر غم و حرماں کی گھٹائیں چھائی ہوتی ہیں تو دنیا کی ہر چیز غمگین

اور حرماں نصیب نظر آتی ہے۔ شاعر جب روتے روتے آنکھ اُٹھاتا ہے تو یہ زمین و آسمان یہ چاند ستارے یہ باغ و بہار غرض کہ عالم موجودات کی ہر چیز اس کو اپنی شریک غم نظر آتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ

پیچھے ہم تو شبنم نے آنسو بہائے

اور اس خیال سے کہ اس کا اشک وفا بہانا شبنم سے نہ دیکھا گیا اور وہ خود بھی رو پڑی اس کے دل کو کیسی تسکین پہنچتا ہے اور پھر کس یقین کے ساتھ اعلان ہوتا ہے کہ

ہر رنگ اشک وفا رنگ لائے

شبنم کی اشک فشانی نئی بات نہیں لیکن فلسفۂ غم کے ایک نازک پہلو کو بے نقاب کرنے میں جو کام شاعر نے شبنم اشک فشاں سے لیا ہے وہ یقیناً قابل داد ہے۔ یہی شاعرانہ شعوری توجہ کمال مصوری انجم نے ان اشعار میں پا لیا ہے اس کی بلندی کا کیا کہنا۔

نشاط و غم انجم پہلے بہار یہ شاعری بعد میں کچھ اور وہ بہار یہ سے میری مراد غیر فقیہ نہیں وہ بہاروں کے راگ گنگناتا ہے بہاروں کی پروردہ دارفتگی کے نغمے گاتا ہے۔ بہار حُسن ہو کہ حسُن بہار، ہر منظر حسین و بہار میں اس پر ایک مدہوشی طاری کر دیتا ہے۔ اسے آپ سرمست دیوانہ کہہ لیجئے مگر دیوانہ بہ کار خویش ہشیار کیونکہ دیوانگی اسے صفت شعر سے ایک پل کو غافل نہیں ہونے دیتی چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب وہ اپنے کیف و مستی کو نظم میں ڈھالتا ہے تو اس کے بیان کا فنکارانہ انداز ہر شعر کو ایک چھلکتا ہوا ساغر حسین بنا دیتا ہے ایسے ساغروں سے اس کا میخانۂ شعر بھرا پڑا ہے کبھی کبھی تو ایسا ہوگا کہ آپ کا دماغ ایک لطیف گونج سے سرشار ہو کر شعر کی علت و معنویت

پر غور کرنے سے انکار کر دے گا اور شاید مناسب بھی یہی ہے۔

شعر ملاحظہ ہوں

ہم وہ بادہ مست کہ مُنہ چوم کے پیمانے کا
پھر نہیں دیکھتے کیا رنگ ہے میخانے کا

چھلکا تھا میرے واسطے پیمانۂ جمال
تھوڑا سا کیف چاند ستارے بھی پا گئے
اللہ اللہ کیا شانِ کیف و مستی ہے کہ میرے طفیل
تھوڑا سا کیف چاند ستارے بھی پا گئے

سرمست دیوانے کے یہ تیور بھی ملاحظہ کیجئے۔

نقاب اُن کو رُخ سے اُٹھانا پڑے گی
کہ میں امتحانِ نظر چاہتا ہوں

اور جب کوئی برافگندہ نقاب ہو گیا تو ہشیاروں کا عالم دیکھئے

جو آئے تھے ہشیاریوں کے سہارے
بحمداللہ ہوش گم ہیں تری انجمن میں
کہ یہاں خود فراموشی ہی اصلِ ہوش ہے

خود شاعر کا حال ملاحظہ کیجئے۔

تری نظر کے اشارے ہی کچھ کہیں تو کہیں
مجھے تو ہوش نہیں میں کہاں کہاں بہلا

مجھے اصغر کا ایک بہت ہی پر کیف شعر یاد آ رہا ہے۔

بہت لطیف اشارے تھے چشمِ ساقی کے
نہ میں ہوا کبھی بے خود نہ ہوشیار ہوا

چشمِ ساقی کے اشارہ ہائے لطیف نے جو کیفیت اصغرؔ پر طاری کر دی ہے اُس کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ

نہ میں ہوا کبھی بے خود نہ ہوشیار ہوا

مگر انجمؔ کو اس انقلاب بے نام کا ہوش ہی کہاں کہ "کہاں کہاں بدلا" اس لئے اس "کہاں کہاں" کے جواب کے لئے بھی "تری نظر کے اشاروں" ہی کا سہارا ڈھونڈھا ہے۔ انجمؔ نے نہیں بتایا کہ یہ عالم کہ:

مجھے تو ہوش نہیں میں کہاں کہاں بدلا

"تری نظر کے اشاروں" کا رہینِ منّت ہے مگر اشاروں اشاروں میں کیا کچھ نہیں کہہ دیا ہے اور کتنے لطیف انداز میں کہ سنتے سنتے روح پر کیف طاری ہو جائے۔ یہی سرشاری و سرمستی جب اپنی معراج کو پہونچ جائے تو دیوانگی کو چھونے لگتی ہے۔ یہ عالم بھی ملاحظہ کیجئے۔

سنبھل اے محبّت کو اپنانے والے
محبّت کی معراج دیوانگی ہے

اور

نگاہوں کی وسعت تصوّر کی حد تک
تصوّر سے کچھ دور منزل نہیں ہے

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ

مجھے خود نہیں چھیڑ منظور ورنہ
کہاں وہ نہیں ہیں، کہاں دل نہیں ہے

اور بالآخر شاعر کے حوصلوں کو پہنائے عالم تنگ نظر آنے لگتی ہے۔

رُکتی ہے کیوں ہر ایک قدم پر نگاہِ شوق
اے عشق دیکھ وسعتِ دُنیا تو کم نہیں

پھر اس مقام کے بعد کہ

رہبرِ کارواں بھی گُم منزلِ کارواں بھی گُم
ایسے ہزار مرحلے عشق کی ایک راہ میں

ارشاد ہوتا ہے

بے خبر ہیں قافلے والے ابھی اس راز سے
منزلِ مقصود راہوں میں نہیں ہے دل میں ہے

اور جب بے خودی خودی میں تحلیل ہونے لگے تو یہ ترنگ بھی ملاحظہ فرمایئے

میں کہ خدائے عشق ہوں سجدۂ آستاں نہیں
میری قیام گاہ سے آگے کوئی جہاں نہیں
مجھ سے حجابِ قدس کی عقدہ کشائیاں نہ پوچھ
میں تری بزمِ خاص کا راز ہوں رازداں نہیں

اور شعر سُنیئے

کہاں ہوں کہ دونوں مجھے ڈھونڈتے ہیں
اِدھر ذوقِ سجدہ اُدھر آستانہ

کیسے سجدہ کریں اہلِ محبت
محبت خود جبیں خود آستانہ

ایک شعر ملاحظہ ہو۔

کھولی جنوں نے آنکھ تو دُنیا بدل گئی
جاگی شعاعِ مہر تو نیند آ گئی مجھے

آمدِ صبحِ بہاراں ہے اور چمن نئی آب و تاب لے کر جلوہ آرا ہو رہا ہے۔ ایک زندگی کی لہر سی ہر طرف کار فرما ہے جیسے آغوشِ شب میں سویا ہوا چمن انگڑائی لے کر آنکھیں کھول رہا ہو۔ اس اثنا میں طلوعِ مہرِ درخشاں کا آغاز ہوتا ہے اور اُفق سے زرنگار کرنیں پھوٹنے لگتی ہیں برگ و بار پر شعاعِ مہر کا رقص مستانہ شاعر پر نشہ سا طاری کر دیتا ہے۔ ایسا نشہ جو نشہ بھی نہیں جسے آپ غنودگی بھی نہیں کہہ سکتے ایک عجیب سی کیفیت جو آپ کے پلکوں کو بوجھل کر دے اور ایک انتہائی سرور کے عالم میں آپ کی آنکھیں نیند سی ہونے لگیں اصغرؔ جب ایسی ہی کیفیت سے دوچار ہوئے تو وہ

نہ میں ہوا کبھی بے خود نہ ہوشیار ہوا

سے زیادہ نہ بتا سکے مگر انجمؔ جب کہتا ہے کہ

جاگی شعاعِ مہر تو نیند آ گئی مجھے

تو آپ کو بھی کیفیت سرور میں پہنچ نیند سی آنے لگتی ہے۔

چمن میں صبح بہاراں کا منظر کس لطیف پیرایہ میں بیان کیا ہے۔

کھولی چمن نے آنکھ تو دنیا بدل گئی

اور "چمن کے آنکھ کھولنے" کی مناسبت سے "شعاعِ مہر کا جاگنا" اور "عالمِ سرور میں شاعر کو نیند آنے لگنا" سچ تو یہ ہے کہ شعر نہیں ساغرِ حسین ہے جو اپنے جمالِ رنگین سے آنکھوں کو مسرور کرتا اور نشۂ لطیف سے روح کو سرور بخشتا ہے ایک بار اور پڑھیئے

کھولی چمن نے آنکھ تو دُنیا بدل گئی
جاگی شعاعِ مہر تو نیند آ گئی مجھے

انجم کی کیفیتِ نشاط آپ نے ملاحظہ کی۔ انجم کی سرشاری و سرمستی

شرابی کی بدمستی نہیں جس میں طوفانوں کا تلاطم ہو جس کی تمثیل کے لئے آپ کو بحر ذخار اور طوفانی دریاؤں سے مدد مانگنی پڑے۔ یہ تو وہ جوئے نرم رو ہے جو چمن زاروں کی لطافتوں کو چار چاند لگاتی گاتی گنگناتی گذری چلی جاتی ہو بلکہ وہ مدھم موسیقی جو جوئے چمن کی سبک خرامی سے پیدا ہو کر ارباب چمن کو عالمِ کیف و سرور میں جھومتے رہنے کا پیغام دیتی رہتی ہے۔ انجم کی سرشاری شاعر کی سرمستی ہے شرابی کی بدمستی نہیں۔

شاعر کا مذاق، مذاقِ عام نہیں اور مذاقِ شیشہ و ساغر تو مذاقِ عام ہے چنانچہ جب یہ صہبائے جمال کا رسیا پینے پر آتا ہے تو مہ و مہر پیمانے بن جاتے ہیں۔

مذاقِ شیشہ و ساغر تو عام ہے انجم
جو تم پیو تو مہ و مہر بھی ہیں پیمانے

انجم غم و الم کا شاعر نہیں لیکن غم و الم تو ایک حقیقت ہیں۔ اٹل حقیقت جن سے مفر معلوم۔ انجم کی فطرتِ رنگین ان غم و آلام کو نشاط کا رنگ دیئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ یہ فطرتِ رنگین ناکامی دل میں بھی پُر کیف پہلو تلاش کر لیتی ہے۔
پہلے صبح سے پوچھا پھر شام سے کہ وہ کہاں ہیں مگر ان تک رہنمائی نہ ہونا تھی نہ ہوئی۔ اس استفسار نے شاعر کو کچھ حسین نسبتیں بخشیں۔ انہیں نسبتوں کو حاصلِ ناکامی و نامرادی سمجھئے اور یہ حاصل بجائے خود کوئی کم حاصل نہیں ہے۔
کتنا اچھا شعر نکالا ہے

پہلے میں نے صبح سے پوچھا تمہیں پھر شام سے
اس لئے دونوں کو نسبت ہے دلِ ناکام سے

ایک شعر اور ملاحظہ ہو۔
مٹ نہیں سکتی محبت مرگ بے ہنگام سے
میں پکارا جاؤں گا برسوں تمہارے نام سے

گویا اس نسبتِ لطیف کے باعث میری محبت بھی اَن مٹ اور لافانی۔

نسبتوں کے سلسلہ میں ایک شعر اور سنیئے:

جنھیں تم بخش دو از راہِ الفت
قبول ایسے ہزاروں غم خوشی سے

انجم کے غم میں آپ ایک وقار پائیے گا، ایک متانت جو اس کی دل سوزی کو فریاد و ماتم سے ممتاز کرتی ہے جس طرح اس کا عالم سرور و کیف عالم بدمستی نہیں بن پاتا اُس کی دل سوزی فریادِ ماتم نہیں بن سکتی اور شاید اسی باعث اُسکا سوز و گداز دلوں کو بے طرح متاثر کرتا ہے

علاوہ سعئی دل سوزی کے انجم
سبھی کچھ ہے مری فکرِ جواں میں

انجم کی دل سوزی کسبی نہیں وہبی ہے، اُس کو ودیعت ہوئی ہے اُس کی فطرت ہے۔

تخلیقِ غمِ دل، دل سے ہوئی خلاقِ غمِ دل کوئی نہیں
انسان خود اپنا قاتل ہے انسان کا قاتل کوئی نہیں
کیوں غم کی بھیانک وادی میں رہبر کی ضرورت پیش آئے
یہ راہ سراپا منزل ہے اس راہ میں منزل کوئی نہیں

یہ غم محتاجِ سبب نہیں کتنا اچھا شعر کہا ہے

گواہ ہیں مرے سوزِ طلب کے افسانے
بغیرِ شمع بھی اکثر جلے ہیں پروانے

غم انسان کی فطرت ہے اور اگر کہیں یہ غم باسبب بھی ہو تو یہ توقع کہ انجامِ کار بصورتِ کامرانی غم سے خلاصی ہو جائے گی فہم و خیال سے زیادہ نہیں کیونکہ

انسان کی فطرتِ غم پسند کلیجہ سے لگانے کے لئے کوئی نہ کوئی صورتِ غم ضرور پیدا کرلے گی۔

حسن ستم گر عشق ستم
اوّل و آخر غم ہی غم
شام ڈھلے سورج کی یاد
سورج نکلے شام کا غم

شعر ملاحظہ ہو

پوچھا ہے کوئی محرمِ غم
دل نے کہا چپکے سے "ہم"

ملتا جلتا ایک شعر اور پیش کرتا ہوں

غم درآغوشِ توجّہ تھا بہ ہنگامِ ازل
آدمی نے بڑھ کے ایک آواز دی "میرے لئے"

تخلیقِ غم کے بارہ میں ابھی غور ہی ہو رہا تھا کہ انسان آگے بڑھا "اے قسامِ ازل تو غم تخلیق فرمائے تو مجھے مقدر فرمائیے"

دور اندیشی ملاحظہ ہو

جہانِ خیر و شر میں جانے کس شے کی ضرورت ہو
سکونِ دل سے پہلے اک خلش بھی مانگ لی ہم نے

فیاضِ مطلق کی دریا دلی دیکھئے

برق نگراں بلائیں پہرے دار
یوں بھی دیکھا ہے آشیانے کو

غم زندگی کو قیامت نہ کہئے
قیامت تو اک قصۂ مختصر ہے

"غمِ زندگی کو قیامت نہ کہئے" کیونکہ "قیامت تو اک قصۂ مختصر ہے" طولِ غمِ زندگی کے لامتناہی ہونے کا اظہار کتنے جامع اور بلیغ انداز میں کیا ہے۔

شعر ملاحظہ ہو

تباہ کس نے کیا اہلِ غم پہ کیا گذری
جو سن سکو تو سنائیں کہ ہم پہ کیا گذری

"جو سن سکو" خاطرِ محبوب کی نزاکت کا کتنا پاس ہے۔

امید بن کے تمہیں تو دلوں سے کھیلے ہو
تمہیں خبر ہے کہ اربابِ غم پہ کیا گذری

"امید بن کے دلوں سے کھیلنا" کتنا فصیح اندازِ بیان ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی۔

اور سنیئے

سحر بہار بداماں سہی مگر اے دوست
تمام رات فضائے چمن پہ کیا گذری

پھر ارشاد ہوتا ہے

کمالِ غم، فروغِ خستگی، معراجِ رسوائی
یہی سمجھا تو کیا سمجھا مرے حالِ پریشاں کو

اور اس کے بعد

نہیں دوست یہ شکوۂ غم نہیں ہے
بہت دور کی بات سمجھا رہا ہوں

وہ دور کی بات یہ ہے کہ

جنھیں تم بخش دو از راہِ اُلفت
قبول ایسے ہزاروں غم خوشی سے

کچھ شعر اور سُنیئے۔

شعبۂ غم اور اُس میں بھی کمی میرے لئے
جبرِ فطرت ہے جہانِ زندگی میرے لئے
دل کو توڑا ہے تو سازِ زندگی بھی پھونک دو
ہو سکے تو اتنی زحمت اور بھی میرے لئے

"اتنی زحمت اور بھی میرے لئے" نے تو شعر کو قیامت بنا دیا

غم نصیبوں کے تصور میں نہیں بزمِ نشاط
لوگ کہتے ہیں کہ پھر فصلِ بہار آئی ہے

اور

یوں تو اکثر ہنسے کہ ہنس نہ سکے
یوں تو آئی ہنسی کہ آ نہ سکی

جو لوگ ان منازل سے گذرے ہیں وہی اس کیفیت کا لطف لے سکیں گے جس کمالِ فن کے ساتھ شاعر نے اس نازک کیفیت کو الفاظ کا جامہ پہنایا ہے اس کی داد ممکن ہی نہیں۔

ہنسی آتی ہے اور آتے آتے رک جاتی ہے' ایسے مقام بھی انسان کی زندگی میں آتے ہیں لیکن ٹھہر کر اس مقام کا پورا احساس کر لینا اور اسے ہم تک پہونچا دینا ماہرِ نفسیات کا کام ہے۔ مگر شاعر جب کسی نفسیاتی نکتہ کو بیان کرتا ہے تو الفاظ اور اندازِ بیان کی مناسب ترین کیفیت سے وہ اسے آتنا موثر بنا دیتا ہے

نہ تمام کیفیات سامع کی چشمِ تصوّر کے سامنے آجاتی ہیں اور وہ محسوس کرتا ہے جیسے خود اس پر گذر رہی ہیں۔ غالبؔ کا یہ شعر کہ

پہلے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

ایسے ہی ایک نفسیاتی نکتہ کو پیش کرتا ہے اور کتنے موثر انداز میں کہ "آہ" منہ سے نکل جاتی ہے۔ انجم کا نفسِ مضمون بھی کچھ ملتا جلتا ہے انہیں بھی اس لئے کہ چپ لگ جانا ایک بات ہے اور "یوں تو آئی ہنسی کہ آنہ سکی" اس سے بہت آگے کی بات، اتنی گہری بات کہ اس تک اچھے اچھے اربابِ نظر کی نگاہیں نہیں جاسکتیں۔ انجم نے جس کمالِ فن کے ساتھ اس نازک کیفیت کی عکاسی کی ہے اس کی تعریف نہیں ہوسکتی۔

چپ غالبؔ کو بھی لگی چنانچہ فرماتے ہیں

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں
ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

انجم کی چپ بھی ملاحظہ کیجئے۔

غم نے جب سے کروٹ لی
چپ ہیں اُس تاریخ سے ہم

غم کے دوران ایک وقت ایسا بھی آتا ہے۔ جب تھکے شاعر نے چند لفظوں میں کس جامعیت اور کتنی سادگی سے اس تمام پسِ منظر کے ساتھ اس واردات کو شعر میں ڈھالا ہے۔

غالبؔ کی چپ بربنائے مصلحت اور ارادی ہے لیکن انجم کی چپ اس کے غم کی کروٹ کا نتیجہ اور اسی باعث بہ اعتبار تاثر آپ کے دل کے ٹکڑے کر دیتی ہے۔

ایک شعر اور ملاحظہ ہو

روتے روتے ہنس تو دیئے
یہ نہ کھلا کیوں روئے ہم

اور شاید کبھی نہ کھل پائے اور نہ یہ کھل سکے کہ روتے روتے ہنس کیوں دیئے۔ یہ وہ نازک کیفیات ہیں جو عاشق پر گذرتی تو ہیں مگر وہ خود نہیں جانتا کہ ان کا سبب کیا ہے۔ روتے روتے ہنس دینا اور ہنستے ہنستے رو دینا۔ اس کیفیت کو شاعر نے اتنا موثر جامۂ شعر دیا ہے کہ اس سے بہتر خیال میں نہیں آسکتا۔ اس مقام تک پہنچ کر شاعر کی حیرانی ملاحظہ ہو۔

یہ کون سا مقام طلب ہے کہ تم بغیر
پہلے تو کچھ ملال تھا اب کوئی غم نہیں

آپ نے دیکھا کہ انجم نہ صرف ماہر نفسیات غم ہے بلکہ اس سے پہلے وہ شاعر ہے اور اس کی نظر بہرحال شاعر کی نظر اور اس کا بیان بہرحال شاعر کا بیان ہے، اور بایں کمالات آپ اس کا مقام گو میر و غالب کے برابر نہ دیکھیں مگر اسی صف میں دیکھیں گے۔

اور سنیئے

وقت آمادہ بضد ہے آزمانے کے لئے
مسکرائے جا مذاقِ غم بڑھانے کیلئے

اس کے برعکس بھی ملاحظہ ہو

بخشا ہے آپ ہی نے غمِ زندگی مجھے
یوں مسکرا یئے کہ نہ آئے ہنسی مجھے

ایک شعر اور پیش کرتا ہوں۔

جفا شعار دعا دے مرے تبسم کو
ہزار بار بڑھا دی ہے آبروئے غم کی

کبھی وہ آزمائشِ محبت کے پیشِ نظر حفظِ مذاقِ غم کی خاطر تبسمِ محبوب سے طالبِ امداد ہوتا ہے اور کبھی حفظِ متاعِ غم ہی کی خاطر تبسمِ دوست سے پناہ مانگتا ہے کبھی مسکرانے سے خائف اور کبھی یہ ناز کہ باوجودِ غم متبسم ہو کر میں نے ہزار بار غمِ عشق کی آبرو بڑھا دی ہے۔

بہرکیف غم اسے بہت عزیز ہے یہاں تک عزیز ہے کہ وہ التفات بھی جو غم پذیر نہ ہوا سے منظور نہیں۔

جس التفات کا احساس غم پذیر نہیں
وہ التفات بہت شائستہ فقیر نہیں

انجم نے اس بے مثل شعر میں فلسفۂ نشاط و غم کے بہت ہی باریک پہلو کو بے نقاب کیا ہے۔ آپ وفورِ نشاط کی بیکرانیوں میں بھی ایک دبا دبا سا احساس دل کی گہرائیوں میں موجود پائیں گے جسے آپ بے چینی کہہ لیجئے مگر وہ بے چینی بھی نہیں ہے کچھ عجیب سی کیفیت ہے جس کے اظہار پر زبان قادر نہیں یہ عجیب تضاد ہے کہ نشاط کی تہہ میں ایک صورتِ غم موجود رہتی ہے اور اس طرح نشاط و غم ہر چند کہ متضاد جذباتِ انسانی کہے جائیں گے ایک دوسرے سے جدا نہیں گویا کہ ایک ہی جذبہ کے دو نام ہیں۔ آپ خوش ہیں۔ بہت خوش اور اس انتہائے مسرت و نشاط کے عالم میں ایسے لمحے آتے ہیں کہ آپ کا احساس دبی ہوئی ہوک کو پا لیتا ہے جو ہر وقت آپ کے دل میں موجود ہے اور دوسرے لمحے آپ پھر مدہوشِ نشاط ہو جاتے ہیں۔ یہ ہوک آپ کی مدہوشئ نشاط کے نیچے چھپی چھپی جھانکتی رہتی ہے۔ انجم نے یہ کہہ کر کہ وہ التفات جو غم پذیر نہیں شائستۂ فقیر نہیں فقیری کی داستان

بیان نہیں کی بلکہ عام فطرتِ انسانی کے ایک گہرے راز کی طرف اشارہ کیا ہے
اس نے اس متعلق احساسِ انسانی کو ہمارے سامنے پیش کر دیا جس پر شاید بڑے
بڑے کاوشی دار ماہرینِ نفسیات کی نظریں نہ جا سکیں۔

انجم کا غم ایک ازلی وابدی غم ہے جسے اس نے "ایک ہلکی سی خلش بھی
کہا ہے

ایک ہلکی سی خلش دل کی جگہ سینے میں
غیر محدود اضافہ ہے مرے جینے میں

اس خلش کو وہ حاصلِ زندگی تصور کرتا ہے، ایک گراں قدر اضافہ،
جس کے بغیر زندگی۔ زندگی نہیں کہی جا سکتی اور یہ احساس اس کے اشعار کو
وہ گدازِ بخشتا ہے جو صرف آغوشِ خلوص ہی میں پرورش پاتا ہے جو آتشِ سیال
کی طرح رگ رگ میں سرایت کر جاتا ہے اور سامع کے منہ سے بے ساختہ
"آہ" نکل جاتی ہے۔

نشاط و غم کی یہ ہم آہنگی انجم کی زندگی پر چھائی ہوئی ہے وہ نشاط پسند ہے
اور غم پسند بھی گویا نشاط غم پہلے اور نشاط بعد کو مختصراً یہ جاننا مشکل ہے کہ انجم
کے نشاط و غم کی حدِ فاصل کہاں واقع ہے۔ اُس کا عکسِ فطرت خود اسی کے
ایک شعر میں ملاحظہ کیجیے۔

انجم یہ ستاروں کے جھلکتے ہوئے آنسو
جیسے کوئی چھلکا ہوا پیمانۂ شب ہے

جب شاعر کیفیاتِ الم سے متاثر ہوتا ہے تو کائنات کی ہر چیز اسے
غمگین نظر آتی ہے۔ اس عالم میں جب اس کی نظر ستاروں پر پڑتی ہے
تو وہ اسے چھلکتے ہوئے پیمانۂ شب کے حسین روپ میں دیکھے بغیر نہیں رہ سکتی،

پہلے ستاروں پر جھلکتے ہوئے آنسوؤں کا گمان کرنا اور فی الفور چھلکا ہوا پیمانۂ شب قرار دے کر ان آنسوؤں کو پی جانا جیسے جرعہ ہائے صہبا ہوں؛ شاعر کی فطرت ہے۔

ستارے مظہرِ غم ہیں اور مظہرِ نشاط بھی؛ شاید مظہرِ غم نہیں محض مظہرِ نشاط۔ ہر ستارہ ازل شاعر سے آپ اور کیا توقع رکھتے تھے۔

غزل خلاصۂ رودادِ زیست ہے انجم
غزل کے بعد سناؤں بھی کیا زمانے کو

حسنِ زبان

لیکن رودادِ زیست سُنانے کیلئے سلیقہ چاہئے اور اس سلیقہ کے لئے زبان پر عبور درکار ہوگا۔ آپ نے دیکھا کہ انجم نے مشکل سے مشکل اور ادق سے ادق مسائل کو کس حسنِ ادا سے پیش کیا ہے میں نے لطافتِ خیال و بیان کا ایک عنوان نظر میں رکھا ہے لیکن پیرایۂ بیان کا کوئی علیحدہ عنوان میری سمجھ میں نہ آیا اس لئے کہ یہ حُسن تو آپ تقریباً ہر شعر میں پائیے گا عام اس سے کہ وہ شعر کس عنوان کے تحت پیش ہو رہا ہے چنانچہ لطافتِ خیال و بیان کی موجودگی ہی میں مجبور ہوا کہ جہاں جہاں حُسنِ بیان کی ندرت و لطافت نظر آئے میں وہیں اس طرف اشارہ کر دوں۔ حالانکہ ایک جداگانہ عنوان تجویز کرنے کے بعد چاہئے تو یہ تھا کہ حُسنِ ادا سے متعلق سیر حاصل بحث وہیں ہو جاتی مگر جب حال یہ ہو کہ "ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا ست" تو یہ تقسیمِ عنوانات برائے بیت ہی رہ جاتی ہے

انجم کی زبان شگفتہ اور دل آویز ہے اور معنویت کے اعتبار سے جامع اور ہمہ گیر۔ یہ جامعیت اور ہمہ گیری اس کے وسیع مطالعہ اور فطری اُپج کا نتیجہ ہے جو وضع تراکیب پر بہ کمالِ فن قادر ہے۔ انجم کے سامنے خوبصورت اور جامع تراکیب ہاتھ باندھے کھڑی رہتی ہیں اور ان کی مدد سے جو شعر تخلیق ہوتے ہیں

ایک دُنیا سمیٹے ہوئے اپنے اندر لیے ہیں۔

حُسنِ زبان کے یہ اعلیٰ نمونے مختلف عنوانات کے تحت آپ کی نظر سے گذر چکے ہیں تاہم تشنگی اپنی جگہ موجود ہے اور رہے گی تاوقتیکہ محاورہ اور روزمرہ کے اشعار بھی آپ کی خدمت میں پیش نہ ہوں۔

آپ دیکھیں گے کہ انجم نے شعر "محاورہ" یا "روزمرہ" کی خاطر کبھی نہیں کہا بلکہ ایک چابک دست صناع کی طرح انھیں حُسنِ شعر کی خاطر استعمال کیا ہے اور اس سلیقہ سے استعمال کیا ہے کہ خود محاوروں میں جان ڈالدی ہے اور حُسنِ شعر کو بہ اعتبار روانی و تاثر دوبالا کر دیا ہے۔

غالب کا شعر ملاحظہ ہو

کل تم جو بزمِ غیر میں آنکھیں چرا گئے
کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے

ان کے لئے بزمِ غیر آراستہ ہو اور غالب نہ جائیں۔ پیا رکی نظروں سے کچھ اس طرح ان کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں "کیوں جی تم ہمارے ہو نا"۔ مگر انہوں نے اس وقت نظریں بچا جانا ہی قرینِ مصلحت سمجھا اور غالب کچھ اس طرح کھل کر خفیف ہوئے کہ ان کی خفت اغیار سے چھپی نہ رہ سکی اور جو ذلّت و رسوائی باقی رہ گئی تھی وہ یوں پوری ہو گئی۔

انجم کے یہاں بزمِ غیر اور اغیار سرے سے مفقود اور اغیار کے ہاتھوں شاعر کی ذلّت و رسوائی بھی مفقود نظریں ملانے سے ان کا گریز کہ انجم سے نظریں بچائے آگے بڑھ گئے دیکھنے والوں پر رازِ محبت فاش کر گیا اور سب کی نگاہیں بے اختیار ان کی جانب اُٹھ گئیں کہ "اچھا آپ ہیں انجم صاحب کے مرکزِ محبت"!

مجھ سے نظر بچائے ہوئے آپ کیا گئے
بے اختیار سب کی نگاہوں میں آ گئے

شعر آپ کے سامنے ہیں۔ مذاقِ سلیم خود نتیجہ پر پہونچ جائے گا کہ کس کا مقام کیا ہے۔

ہر چند کہ انجم کا یہ رنگ نہیں مگر شعر ان کے قلم سے نکل گیا اور زیب دیوان بھی ہو رہا ہے پھر پیش کر رہے ہیں مجھے بھی تامل کیوں ہو۔

خود وہ اُٹھے مجھے اُٹھانے کو
رہ گئی بات منہ دکھانے کو

غالب کا شعر بھی سنئے۔

دے وہ جس قدر ذلت ہم ہنسی میں ٹالیں گے
بارے آشنا نکلا ان کا پاسباں اپنا

ذلت انجم کی بھی ہوئی پاسبان کے ہاتھوں نہ سہی خود انہیں کے ہاتھوں ہی۔ البتہ

رہ گئی بات منہ دکھانے کو

غالب بھی حیلہ ساز، انجم بھی حیلہ ساز

چھیڑتا ہوں کہ اُن کو غصہ آئے
کیوں رکھوں ورنہ غالب اپنا نام

کوئی ہم سے بات کرے
اس لئے انجم چپ ہیں ہم

انجم نے زبان کے اچھے شعر کہے ہیں اور محاورہ اور روز مرہ

کو اس خوبصورتی سے سمویا ہے کہ جذبۂ دل کی تمیز نہیں رہتی اور بے ساختگی و برجستگی کا یہ عالم ہے کہ سُننے والا پھڑک اُٹھتا ہے کہ واہ کیا کہنا!

ملاحظہ ہو

تغافل اور پھر وہ بھی مجھی سے
سلام ایسی ادا کو دور ہی سے
کہوں کیا دل کی مجبوری کسی سے
خطا ہوتی ہے اکثر آدمی سے

نہ سمجھو دل لگی۔ دل کی لگی کو
بدل دے گی نظامِ زندگی کو

وہ آئیں نہ آئیں خوشی اُن کی لیکن
بُلانے کو میں جان سے جا رہا ہوں

لیجئے صبح ہوئی چاند ستارے ڈوبے
آگیا وقت مرے جی سے گزر جانے کا

ہوں گی کسی کو راس تمہاری رفاقتیں
ہم نے جب اعتبار کیا چوٹ کھا گئے

شکوۂ دہر ہے عبث انجمؔ
خود تجھی میں کوئی بُرائی ہے

تم سہارا نہ دو بلاؤں کو
آ گئے تقاضے آشیانے کی

میری جانب نگاہِ دوست نہیں
اب اُٹھے گی نظر زمانے کی

مسلکِ عشق بے ثبات نہیں
تم بدل دو تو کوئی بات نہیں

اک عذر انھیں مل ہی گیا ذکرِ وفا پر
جب کچھ نہ بن آئی تو کہا سوچ رہا ہوں

دو دلوں کو کبھی ملا نہ سکی
زندگی اپنے کام آ نہ سکی

بزم ساقی اور اس قدر سونی؟
لاؤ کچھ ہم ہی اہتمام کریں

آپ آزردۂ ستم کیوں ہیں
جو خطا کی مری وفا نے کی

وہ تو آئے برائے پُرسشِ غم
خود ہمیں کہہ سکے نہ حال اپنا

آپ اس شان سے ہوں کیوں بدنام
غیر کیا کم ہیں مُسکرانے کو

بزمِ ساقی کی، اہتمام اپنا
کچھ تو محکم ہوا نظام اپنا

شکستِ الم غیر ممکن نہیں ہے
مگر حوصلہ چاہیئے آدمی میں

آپ کا ہم تو احترام کریں
آپ تفریقِ خاص و عام کریں
منزلِ عشق وہ مقام نہیں
آرزوئیں جہاں قیام کریں

یقیناً کوئی راز ہے اس میں انجم
جو اُن کی طرف آپ کم دیکھتے ہیں

مجھے کیا علم تخریبِ چمن کا
تمہارا نام لیتا ہے زمانہ

خفا نہ ہو تو مری سمت بھی نگاہ کئے
بہ احتیاط گزر جاؤ عذرِ راہ کئے

جاگنا تھا ہمیں بہ کارِ حیات
سو لئے موت کے بہانے سے

پوچھو تو کوئی بات نہیں دل کا ٹوٹنا
سمجھو تو ہر انداز تقاضائے طلب ہے

خبردار اے جذبۂ نامرادی
بہارا ابھی بال و پر دیکھتی ہیں

سہل ممتنع کی بہار آپ نے ملاحظہ کی اب ذرا اس تختۂ گل کی بھی سیر فرمائیے۔

تقابل

دو متقابل صورتوں کی یک جائی عجیب لطفِ شعر پیدا کر دیتی ہے اور شاعر کا مقصودِ نظر (تاثر) کتنا بڑھ جاتا ہے۔

کس نے بہارِ صبح کو افسردہ کر دیا
میری نگاہ نے کہ ترے انتظار نے؟

یہ انتہائے محبت نہیں تو پھر کیا ہے؟
کہ سب کو جاننے والا مجھے نہ پہچانے

اتفاقاً لالہ و گل پر نگاہیں جا پڑیں
ورنہ تیرے دیکھنے والے انھیں کیا دیکھتے

وہی ہاہے شمع کا عالم وہی ہیں پروانے
تمہیں بتاؤ مذاقِ وفا کہاں بدلا

کیوں غمِ عشق وہ دنیا بھی کہیں ہے کہ نہیں؟
ہم جہاں ان کی جگہ ہوں وہ ہمارے بدلے

صبح بھی میرے لئے، شام بھی منزل میری
میں ہوں انسان ہر اک بزم ہے محفل میری

طلوعِ مہر، غنچوں کی چٹک، پھولوں کی شادابی
ہر اک اعزازِ فطرت طنز ہے صبحِ غریباں پر

صبحِ بہاراں کے شگفتہ و خنداں پس منظر نے صبحِ غریباں کی اداسی کو کتنا بے پناہ اور پُر تاثیر بنا دیا ہے کہ آپ کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔

تقابل و تکرارِ الفاظ۔

تقابل کا دوسرا اور لطیف تر طریقہ یہ ہے کہ شاعر چند مخصوص الفاظ کی مدد سے ایک صورت کو بطور پس منظر پیش کرتا ہے اور تقریباً انھیں الفاظ کو ترکیبِ شعر میں ادھر اُدھر کر کے دوسری صورت کی تصویر کشی کرتا ہے۔
یہ حسنِ بیان تقابل کو زیادہ نمایاں، اور شعر کو غایت درجہ حسین اور پر تاثیر بنا

دیتا ہے۔ انجم کے یہاں اس صفتِ شعر کے بہت اچھے نمونے ہم کو ملتے ہیں

لوگ آغاز سے کرتے ہیں تلاشِ انجام
میں نے انجام نہ سوچا کبھی آغاز کے بعد

پہلے تعمیرِ نشیمن کے لئے روتا تھا
اب یہ ماتم ہے کہ گنجائشِ پرواز گئی

تم نے دیکھا ہے مجھے صرف تماشائے جمال
میں نے دیکھا ہی تمہیں سب کا تماشا دیکھے

میں دوستی کروں تو سزا وارِ دشمنی
تم دشمنی کرو تو محبت سے کم نہیں

کہیں شاعر اس تاثر کو تنہا ایک بامعنی لفظ کی تکرارِ لطیف سے مرتب کر دیتا ہے ملاحظہ ہو۔

میں کون ہوں کچھ بھی نہیں کچھ ہوں تو تمہیں سے
تم کون ہو یہ راز بڑا غور طلب ہے

ملنے کی آرزو میں نہ ملنے کا غم نہیں
تم اہلِ اختیار تو مجبور ہم نہیں

ہمیں تو ہیں وہ گنہگارِ زندگی انجم
جو بے گناہ ہر اک زندگی سے کھیلے ہیں

اس حقیقت سے بھی ہو اربابِ ساحل ہوشیار
ایک نا معلوم طوفاں پردۂ ساحل میں ہے

نظر کے ساتھ مقصودِ نظر بنیاب ہوتا ہے
یہ منزل کبھی تو آتی ہے تلاشِ راہِ منزل میں

خوشی ہے کہ دل بے نیازِ خوشی ہے
مری زندگی اب مری زندگی ہے

تمام عرصۂ فکر و نظر تباہ گئے
تمہیں نگاہ میں رکھتا ہوں بے نگاہ کئے

دعائیں کام آئی ہیں نہ آئیں
اُبھرنا ہے تو پہلے ڈوب جائیں

یہ کیا ہو گیا ہے کہ اے دل کی جانب
نہ وہ دیکھتے ہیں نہ ہم دیکھتے ہیں

محبت سے دامن بچاؤ نہ انجم
محبت ہی اک چیز ہے آدمی میں

نہ کر غم اگر دشمنوں کو خوشی ہو
محبّت کے بندے محبّت یہی ہو

میں ڈوبا ہوں میں اُبھرا ہوں طوفان کو میں نے برتا ہے
ساحل پہ نظر رکھنے والے طوفان سے کیا ٹکرائیں گے؟

تنکے اُڑے تو کام مرا باغباں بنا
اب تو بھی کہہ رہا ہو بنا آشیاں "بنا"

معصوم دلوں سے اے دنیا، ہر وقت اُلجھنا ٹھیک نہیں
جب تک بھی ملیں یہ ملنے دے بچھڑے تو بچھڑ ہی جائیں گے
اے بزم تجلّی طلعتؔ نہ گر ان میری بھیانک راتوں پر
انوارِ سحر دن ڈھلتے ہی سورج کی طرح ڈھل جائیں گے

محبّت میں جہاں سجدہ کرے خود ناز بھی مجھ کو
اک ایسا آستاں بھی ماورائے آستاں مجھکو!

رسائی بجلیوں کی آشیاں تک
مری دنیا ورائے آشیانہ

مقامِ عشق کا آغاز اُس منزل سے ہوتا ہو
جہاں خود رہبرِ منزل ترس جاتا ہو منزل کو

دل اِسی فکر میں دیوانہ ہوا جاتا ہے
خود بدل جائے کہ انداز تمہارے بدلے

مگر اس کمال کی بہم رسانی بغیر اعلیٰ مہارت و قدرتِ زبان کے ممکن نہیں تشکوہِ زبان، جوش و ولولہ، نزاکت و نفاست، معنی آفرینی، وہ کون سی بہار ہے جو اس گلزار میں نہیں۔ انجم نسیم نے کیا خوب کہا ہے۔

بہار اپنی حدود تک تھی داستانِ بہار
سمٹ کے بن گئی سُرخی مرے فسانے کی

یہ رنگا رنگِ انتخاب ملاحظہ فرمائیے۔

نیاز و ناز کی بازی میں ہار جیت ہی کیا
مگر یہ کھیل مرا مطمحِ نگاہ نہیں

پرتوِ حُسن سے روشن نہ ہوئی بزمِ حیات
اس لئے خون جلایا گیا پروانے کا

حیاتِ شمع ہے اک شعلۂ فریب نواز
خود اپنا خون کہاں تک جلائیں پروانے

قرار کر اسے وقت میرے اعتمادِ یاس کی
میں نے اُس ماتھے پہ دیکھی ہے شکن احساس کی

تم سوزِ نشیمن کو حرارت سے نہ بوجھو
یہ آگ بہاروں میں کہیں رنگ نہ بھر دے

سُرخیٔ لالہ و گُل سے یہ خبر ملتی ہے
خون ہوتا ہے چمن کا تو کلی کھلتی ہے
کثرتِ یاس، غمِ عشق، بلائے کونین
جس کو ملتی ہے اماں میرے یہاں ملتی ہے
پھول تو صرفِ تماشا ہیں انہیں کیا معلوم
میں سمجھتا ہوں کلی جس کے لئے کھلتی ہے

انھیں پکار کے چُپ ہو گئے ہیں دیوانے
یہی سکوت مرتب کرے گا افسانے
غمِ حیات سے بیزار ہو نہ دیوانے
تری پناہ میں کھولی ہے آنکھ دُنیا نے

گرے بجلی تو مجھ پر میں گنہگارِ نشیمن ہوں
مری خاطر کوئی اُفتاد کیوں آئے گلستاں پر

بلائیں تو نازل سے خانہ زادِ عشق تھیں لیکن
بہاروں کے لئے شاخِ نشیمن چھوڑ دی ہم نے

اور بھی ہیں طلبِ دوست کی راہیں انجمؔ
کچھ نہ بن آئے تو پھر خاکِ بیاباں ہونا

اہلِ دل شدّتِ غم سے کہیں گھبراتے ہیں
اوس پڑتی ہے تو پھول اور نکھر جاتے ہیں

سب کی گذری ہے اس طرح آپ کی بارگاہ میں
آپ مری نظر میں ہیں میں ہوں ہر اک نگاہ میں

بہار اپنی جادوں تک تھی داستانِ بہار
سمٹ کے بن گئی سرخی مرے فسانے کی
بقیدِ عشق مری زندگی نیازِ تمام
مجھے جبیں کی ضرورت نہ آستانے کی

دیکھتے ہیں مجھے حیرت سے زمانے والے
کھل گیا پردۂ تصویر میں آنے والے

مرا حال تم ان ستاروں سے پوچھو
یہ پہروں مجھے وقفِ غم دیکھتے ہیں
نگہِ یاس ہی شائستۂ تنہائی ہے
اب یہاں بیٹھنے والے نہ اٹھانے والے

میرے افلاس کو غیرت نے پناہیں دی ہیں
زندگی میرے لئے بار نہیں ہے ورنہ

بہار اپنی حقیقت سے خود بھی بیگانا
نگاہیں نے اُٹھائی تو سب نے پہچانا
مجھے مقابلۂ بیکسی ہی کیا کم تھا
اسی کے ساتھ تمہارے خیال کا آنا

مسکرائیں گے ناکامیٔ تمنا پر
کھلیں گے پھول ہمارے لئے بہار کے بعد

لبوں تک آئی ہوئی مسکراہٹوں کو نہ روک
تری بلا سے جو بڑھ جائے زندگی غم کی

مجھ ہی پہ کیوں ہی تہمت بتیابیٔ فراق
اس زد میں آپ خود بھی کئی بار آگئے

لبِ عشق پر ہے غرورِ تبسم
یہ کون آ رہا ہے مری انجمن میں

وہ میرے واسطے آنسو بہائیں
کہیں سچ مچ یہ دن بھی آنہ جائیں

دل جبر و اختیار کی حد سے گزر گیا
اچھا کیا سلوک ترے اختیار نے

یہ شوخی بھی دیکھ لیجئے۔

یہی موقعہ ہے چلو پوچھ لیں آدابِ حرم
شیخ کے ساتھ پجاری بھی لبِ بت خانہ کا

بہر صورت تخیل و مشاہدہ کیلئے انجم کی وسعتِ زبان کو آپ بیکراں پائیے گا۔ معاملاتِ حُسن و عشق ہوں کہ نکاتِ فلسفیانہ اس نے نازک سے نازک کیفیات کی عکاسی اس مہارت سے کی ہے کہ تصویر آپ کی آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے اور آپ عش عش کرنے لگتے ہیں۔ جب وہ کسی فلسفیانہ یا نفسیاتی مسئلہ کو لیتا ہے تو اس کی موشگافیاں آپ کو حیران کر دیتی ہیں اور جب جذبات و حسیات پر قلم اٹھاتا ہے تو آپ وہی لہریں اپنے دل میں کروٹیں لیتی پاتے ہیں اور "ہائے" آپ کے مُنہ سے نکل جاتی ہے غرضیکہ مشاہداتِ نظری ہوں کہ کیفیاتِ دل و دماغ جذباتِ محبت و نفرت کہ احساسِ نشاط و الم، انجم کی صناعی انھیں دلکش تصاویر کی شکل دے دیتی ہے اور یہ تصاویر آپ کی آنکھوں میں کھپ کر رہ جاتی ہیں۔

جو چیز تصاویر انجم کو دوسری تصاویر سے ممتاز کرتی ہے وہ ان کے مدھم رنگ ہیں۔ ایک ٹھہراؤ، ایک وقار جسے آپ متانت کہہ لیجئے انجم کی زندگی پر چھایا ہوا ہے۔ وہ نشاط و سرمستی کا امام ہے نہ امامِ یاس و یاسیت۔ آپ "نشاط" اس کی زندگی سے حرفِ غلط کی طرح محو پائیے گا۔ اس کے حضور سازِ حیات مدھم سروں میں بجتا ہے اور وہ ان مدھم سروں کو شعر میں ڈھال دیتا ہے اس رعنائی و لطافت کے ساتھ کہ آپ کو محسوس ہوتا ہے

"کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے"

چمنستانِ انجم میں جگہ جگہ آپ کو ایسے گل بوٹے بھی ملیں گے جن کا اندازِ رنگ و بو اپنی امتیازی انفرادیت کے اعتبار سے جداگانہ شانِ بہار رکھتا ہے۔ ان کا

علاوہ آپ کو مسرور کرے گا لیکن فی الفور یہ سرور تفکر میں تبدیل ہوتا محسوس ہوگا اور آپ دیکھیں گے کہ ان حسین اور پُر کیف بہاروں کے پیچھے سے دبی دبی ایک اور بہار بھی جھانک رہی ہے۔

"خون کے چھینٹوں سے کچھ پھولوں کے خاکے ہی سہی"

ملاحظہ کیجئے۔

تباہ کس نے کیا اہلِ غم پہ کیا گذری
جو سُن سکو تو سُنائیں کہ ہم پہ کیا گذری
یقین تھا کہ نوازے گا دورِ نو لیکن
کسی نے یہ بھی نہ پوچھا کہ ہم پہ کیا گذری
اُمید بن کے تمہیں تو دلوں سے کھیلے ہو
تمہیں خبر ہے کہ اربابِ غم پہ کیا گذری

وہ التفات کفر جو ہو مصلحت کے دور
اس دشمنی کی خیر جو ہو دوستی کے ساتھ

نہ کچھ یقین کہ بہار اس میں چمن والے
بھرے چمن میں لٹی ہے بہار شبنم کی

کئی دور ایسے بھی آئے وطن میں
کہ تنہا رہا ہوں بھری انجمن میں

یہ کیسا انقلاب آ گیا زندگی میں
شمار آدمی کا نہیں آدمی میں

چمن والوں نے سمجھا ہی کہاں روحِ رواں مجھکو
بہت سوچا تو کہہ گذرے بنائے آشیاں مجھکو

مجھے ناخدا کی جفا بھی گوارا
مگر مستقل آسرا چاہتا ہوں

اسی چمن میں مرا نظم آشیاں بدلا
یہی زمیں ہے جہاں مجھ پہ آسماں بدلا
کہیں چمن پہ نہ ٹوٹے کوئی بلا صیاد!
یہ انقلاب مبارک کہ آشیاں بدلا
خدا کرے کہ خلافِ وفا نہ ہو انجام
مجھے خبر ہے جس اُمید پر جہاں بدلا

ذوقِ پرواز اسیروں کیلئے کافی ہے
نہ سہی وقت اگر موقعۂ پرواز نہ دے

اللہ اللہ کیا جوشِ بیان ہے۔

بہار خون اگلتی رہی تو کیا ہوگا
یہ آگ رنگ بدلتی رہی تو کیا ہوگا

رگِ ملال اُچھلتی رہی تو کیا ہو گا
یہ شاخ پھولتی پھلتی رہی تو کیا ہو گا
دل و دماغ میں جلتی رہی تو کیا ہو گا
حیات روز بدلتی رہی تو کیا ہو گا

عالمِ یاس ملاحظہ فرمایئے

سحر نوازِ تجلی نہیں ہے شمعِ حیات
تمام رات بھی جلتی رہی تو کیا ہو گا

اور پھر یہ اندیشہ

وہ زندگی جسے اہلِ کرم پناہ نہ دیں
خود اپنے سائے میں پلتی رہی تو کیا ہو گا

یہ شعر بھی ملاحظہ ہوں

اجازت مل گئی ہے سیرِ چمن کی برق و باراں کو
گلستاں کو بچاؤں اب کہ اربابِ گلستاں کو؟
پھول کی آڑ میں کانٹوں کو چھپانے والے
اس نزاکت کو سمجھتے ہیں زمانے والے

اس نزاکتِ ادا کا کیا کہنا

کچھ انقلاب فریبِ وفا کے پردوں میں
چھپے ہوئے ہیں تری زحمتِ نگاہ سے دور

راضی برضا رہنا کس حسین انداز میں بیان ہوا ہے

یہ تاثیرِ ضرورت بھی نہ کی آہ و فغاں ہم نے
تجھے یوں بھی نوازا اے غمِ کون و مکاں ہم نے

ارباب نظر کی تنگ نگاہی ملاحظہ ہو

بہاروں نے دعائے خیر مانگی آشیاں ہم نے
بہت محدود کر دی وسعتِ سوز و زیاں ہم نے

اور سنیئے

ہمیں بیگانۂ منزل سمجھ کر چھوڑنے والے
تجھے سب نے بنایا یا امیرِ کارواں ہم نے؟
ہمیں ذوقِ نشیمن بجلیوں کو اذنِ بربادی
اِنہیں باتوں سے پہچانی نگاہِ باغباں ہم نے

مجھے ہے اُن کی ضرورت اُنہیں زمانے کی
یہیں سے چمکے گی سُرخی نئے فسانے کی

تم نے مُنہ پھیر لیا ہیں نے سہارے بدلے
انہیں باتوں سے محبّت کے نظارے بدلے

بہاروں کو پریشانی ہے اس کا رِنمایاں پر
کہ خود اہلِ چمن نے آگ برسائی گُلستاں پر

ہشیار کہ اے اربابِ چمن ایسے بھی کئی دور آئیں گے
شبنم کی طرح جو ٹھہرے ہیں پانی کی طرح بہہ جائیں گے
مانگی تھی دعائے آزادی لیکن یہ خبر کیا تھی انجم
مختارِ نشیمن ہوتے ہی مجبورِ قفس ہو جائیں گے

اپنے ماحول کو محدود کئے لیتے ہیں
فطرتِ وقت کی تاریخ بدلنے والے

چمن دوست کانٹے بہاروں کو لائے
بہاروں نے اپنے لئے گل کھلائے

اور

خوشی راس آئے مگر یوں نہ آئے
سفینہ بچے ناخدا ڈوب جائے

کیا یہ شعر کسی تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے" میں نے پوچھا!
"جی ہاں" ـــــ اور انجم صاحب آنکھیں بند کر کے شاید عالمِ تصورات میں کھو گئے
تاریخ نے میرے پردۂ سیمینِ دماغ پر ایک افسانہ مرتب کرنا شروع کر دیا۔
مرزمینِ ہند کے ایک عشرت کدہ میں ایک ولادت باسعادت، انگلستان کی تعلیم گاہیں
کارزارِ سیاست کی معرکہ آرائیاں، افتتاحِ آزادی کے جشن و جلوس۔
منظر تیزی سے بدل رہے تھے۔
"ہائے ظالم یہ تو نے کیا کیا!"
ہیرو کا سینہ وطن ہی کے ایک لعل نے پستول کی گولیوں سے چھلنی کر دیا تھا اور
اس پاک سینے سے جس میں ابنائے وطن کی محبت اور خدمت کے جذبہ کے سوا کچھ نہ
تھا خون بوند بوند رِس کر زمین کو گلنار بنا رہا تھا۔
میں نے دیکھا کہ جلوسِ جنازہ دار السلطنت کی شاہراہوں سے گذر رہا ہے۔
لاکھوں انسان مرد عورت، بوڑھے جوان، بچے آنسوؤں کے ہار گوندھتے ہوئے
کہ شہیدِ قوم کے قدموں میں نذر کریں گے۔

دو موٹے موٹے آنسو رُخساروں کو تر کرتے ہوئے میرے سینے میں جاذب ہو گئے۔

خواب منتشر ہوا ہے تو یہ شعر میری زبان پر تھا۔

مجھے سیاستِ دُنیا سے کیا غرض انجم
مرا کلام ہی تاریخ ہے زمانے کی

"انجم صاحب میں اب کچھ نہ لکھ سکوں گا۔"

ماجد علی حکیم
قلعہ خاص، — آنولہ (بریلی)
۲۱ جون ۱۹۵۳ء

تبصرہ

(محترم جناب رادھا رمن جوش بدایونی)

موسمی شدائد، سکون کا فقدان، ماحول کی پراگندگی، وقت کی قلت اور سونے پر سہاگا میری کم مائیگی لیکن اس کے باوجود تبصرہ محکم بھر تبصرہ بھی ایک فنکار و قادر الکلام شاعر مولانا انجم فوقی بدایونی کے مجموعۂ شعری پر۔

بقول مولانا موصوف۔ ع

ایک ایذا ہو تو ماحول پہ تہمت رکھ دوں

لیکن یہاں تو یہ ہزار مصائب بھی تہمت کی گنجائش یا تلافی ایک عذر لنگ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی اس لئے کہ معاملہ "قرعۂ فال بنام من دیوانہ زوند" تک آ پہونچا ہے اور یہ قرعۂ فال صاحبِ کلام کی جانب سے نہیں بلکہ خود کلام کی طرف سے ایک شعوری تقاضا ہے۔

حضرت انجم فوقی جس قدر "مفکر" "مدبر" اور باکمال شاعر ہیں اُتنے ہی باشعور، متوکل غیور، قناعت پسند، خود اعتماد اور خلوص پرور انسان بھی — انھیں جتنا عبور شعر گوئی پر ہے اتنی ہی قدرت شعر فہمی پر — یوں تو اصنافِ سخن کا ہر شعبہ جناب انجم کا ممنونِ تفکر ہے لیکن نثر میں انھیں سب سے زیادہ عزیز ڈرامہ تنقید اور نظم میں سب سے زیادہ محبوب غزل ہے۔ مولانا موصوف خود ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

غزل خلاصۂ رودادِ زیست ہے انجم
غزل کے لہجے میں سناؤں کبھی کبھا زمانے کو

اور یہ حقیقت بھی ہے کہ مولانا انجم کو غزل پر وہ فاتحانہ قدرت حاصل ہے جس کی مثال بہ مشکل ملے گی، اگرچہ وہ غزل کے دوش بدوش قطعات، رباعیاں گیت اور نظمیں بھی کہتے رہے ہیں، لیکن میدانِ غزل میں وہ جس ہمہ گیری کے مالک ہیں اس کا تعلق عصرِ حاضر سے کم عہدِ مستقبل سے زیادہ ہے اور یہ احساس انھیں خود بھی ہے چنانچہ فرماتے ہیں ؎

تمہاری فکرِ لا محدود انجمؔ
تمہارے بعد سمجھے گا زمانہ

اصغرؔ گونڈوی بھی بقیدِ حیات اسی خلش کا نشانہ بنے رہے اور بالآخر انھیں بھی یہ کہتے بنی ؎

زمانہ آرہا ہے جب اسی سمجھیں گے ای اصغرؔ
ابھی تو آپ خود کہتے ہیں خود تنہا سمجھتے ہیں

واقعہ یہ ہے کہ مستقبل کی شخصیتوں کو حال بھی صحیح طور پر نہیں نواز سکتا پھر بھی انجم صاحب کسی ادبی اعزاز سے محروم نہیں ہیں۔ بہت سی آل انڈیا مشاعروں کی صدارتیں فرما چکے ہیں، بیرونی حلقوں سے اکثر بلائے جاتے ہیں، تین ساڑھے تین سو تلامذہ کی ادبی تربیت کا فخر انہیں حاصل ہے، اس کے علاوہ انجم صاحب کے ان معیاری تلامذہ کی تعداد بھی کم نہیں جو فارغ الاصلاح ہیں اور ملک کے مختلف ماہناموں وغیرہ کے مدیر و معاون ہیں، اور اپنی جگہ صاحبِ تصنیف بھی، مگر انجم جیسے ادبی مجاہد کی توجہ ان باتوں پر کہاں؟

مولانا انجم کی شاعری صرف جذبات کی عکاسی یا حُسن و عشق کی چاشنی تک محدود نہیں بلکہ اک شعوری اور غیر فانی عمل بھی ہے۔ وہ محاسنِ شعر میں محض خارجی آب و رنگ کے قائل نہیں، ان کا کلام علم و حکمت اور اک ابدی شعور سے مالا مال ہے

اُجالے

جو شاعر صرف لفظی رکھ رکھاؤ اور حسن و عشق کی معاملہ بندی تک محدود ہیں انہیں بقائے شعری حاصل نہیں ہو سکتی، ہاں ان کا شعر اک کوندا ہے جو لپکا اور ختم ہو گیا۔

میرے نزدیک ایک باکمال شاعر کی مختصر تعریف یہ ہے کہ اُس کے اشعار میں الفاظ کم معنی زیادہ، اور افکار میں حکمت، تخیل میں حیات افروز مسائل، فن میں احتیاط کے ساتھ کلام میں دل سوزی پورے شباب پر ہو ۔۔ انجم صاحب کا کلام ان تمام قدروں کا آئینہ دار ہے۔

گُل و بلبل کی فرضی داستان، شبِ ہجراں کی فرسودہ روایات اور نیاز و ناز کی عام واردات آپ کو اُجالے میں نہیں ملیں گی اور اگر کہیں یہ جھلک ملے گی تو کسی کنایہ استعارے کے ساتھ اور یہاں بھی مولانا انجم کی انفرادیت کا آپ کو اعتراف کرنا ہوگا اور اسی طرح کرنا ہوگا جیسے خود انھوں نے اپنے متعلق کہا ہے ؎

کمالِ شعر و ادب کے مقام تک انجم

جو راہ مجھ سے بچے سب کے اعتبار میں ہے

حضرت انجم اور ان کا دور موجود؟ اس سلسلہ میں اگر میں اُن کے ماضی کو آپ کے سامنے دُہرا دوں تو حال کا فیصلہ بہ آسانی ہو سکے گا اور میری رائے بھی تشنۂ ثبوت نہ رہے گی لہٰذا میں ان کا وہ نظری کلام پیش کرتا ہوں جو اس وقت بھی ایک صحت مند نظام اور شعریت کی تمام قدروں سے رچا ہوا ہے۔

حکیم محمد تقی ایڈیٹر ماہنامہ مشہور دہلی نے جون ۱۹۴۳ء میں انجم صاحب کو فانی بدایونی کے روپ میں اس غزل کی معرفت دیکھا۔

چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

فطرتِ دل ہے بے پروا فکرِ مداوا کون کرے

شکوۂ غم اک شرط سہی لیکن شکوا کون کرے

دیر و حرم کی تصویریں عالمِ دل کا خاکہ ہیں
دل کونین کا حاصل ہے، دل سے کنارا کون کرے

ناامیدی رحمت ہے اپنے کئے پر پچھتانا
جس میں کُفر کا پہلو ہو ایسی تو بہ کون کرے

انجمؔ ظاہری نظروں میں عالمِ باطن رکھتا ہوں
دنیا خود اک پردہ ہے اس سے پردا کون کرے

شہزادہ ایاز ایڈیٹر ظفر ویکلی بمبئی جولائی ۱۹۴۵ء میں انجم صاحب کی غزل پر رائے دیتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ "حضرت انجم فوقی ایک باکمال شاعر ہیں مجھے اس اعتراف میں تامل نہیں کہ انجم فوقی اور فانی بدایونی یہ دونوں بدایوں اسکول کے غیر فانی شاعر ہیں" اُس غزل کے بھی چند شعر سُنئے ؎

ہر منظر دل کش ہوتا ہے ہر رات سہانی ہوتی ہے
جب عہدِ جوانی ہوتا ہے ہر چیز جوانی ہوتی ہے

اللہ یہ عہدِ عشرت بھی کتنی دیوانی ہوتی ہے
تائیدِ محبت کی خاطر بدنام جوانی ہوتی ہے

پروانوں کے جل جانے پر کیوں دُنیا محوِ حیرت ہے
جب سوز پگھل کر بہتا ہے تو آگ بھی پانی ہوتی ہے

رودادِ محبت کا آخر الزام مجھی پر کیوں آئے
کچھ آپ کا قصہ ہوتا ہے کچھ میری کہانی ہوتی ہے

ماہنامہ جادہ بھوپال اگست ۱۹۴۷ء ملاحظہ کیجئے یہاں عنبر چغتائی، انجم فوقی کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے اصغر ثانی کی حیثیت انجم کو

دیتے ہیں۔ خود بدایوں کے ایک فاضلِ ادیب عبدالولی عثمانی ۲۰ جنوری ۱۹۴۵ء کے اخبار وحدت دہلی میں انجم فوقی کو فانی کا ہم پایہ تصور کرتے ہیں۔ اسی طرح اور دیگر ادبا، وشعرا، کے علاوہ مختلف جرائد و رسائل کے مدیر صاحبان نے حضرت انجم فوقی کی فن کارانہ حیثیت تسلیم کی ہے، جس کی تفصیل کو بہت کافی ضخامت اور ایک طویل فرصت درکار ہے، مجملاً میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں کہ انجم صاحب کا وہی مطبوعہ کلام جستہ جستہ پیش کردوں جسے موصوف اپنی بیاضِ شعر سے خارج کر چکے ہیں ملاحظہ ہو ؎

تصویرِ یار دل میں چھپائے ہوئے ہوں میں
اپنی نگاہ سے بھی بچائے ہوئے ہوں میں
آنسو میں سوزِ عشق چھپائے ہوئے ہوں میں
دریا کی تہہ میں آگ دبائے ہوئے ہوں میں
بلبل خموش، پھول فسردہ، کلی اداس
سب کو شریکِ حال بنائے ہوئے ہوں میں
ہر منظر جمال ہے میری نگاہ میں
ہر حسن کو نگاہ بنائے ہوئے ہوں میں

اور ایک غزل کے چند شعر دیکھئے ؎

یہی ہے تابشِ جلوہ کہ گھر میں آگ لگے؟
نظر اٹھی ہو تو ذوقِ نظر میں آگ لگے
اٹھے نقاب تو قلب وجگر میں آگ لگے
کہیں یہ برق گرے میرے گھر میں آگ لگے؟

طلوعِ صبحِ قیامت کا ڈر ابھی سے ہے
الٰہی شام سے پہلے سحر میں آگ لگے
دعا سکون کی مانگوں تو درد اور بڑھے
خدا کرے کہ اِس اُلٹے اثر میں آگ لگے
اٹھائے جایئے رُخ سے نقاب سُرک سُرک کر
لگائے جایئے جب تک نظر میں آگ لگے

اب یہ شعر بھی ملاحظہ ہوں ؎

کس قدر مشکل میں ہیں آسانیٔ مشکل سے ہم
اپنے دل کی بات بھی پوچھیں تو اُن کے دل سے ہم
شمعِ چُپ، تارے فسردہ، پھیکی پھیکی روشنی
اب اُٹھائے جائیں گے شاید تری محفل سے ہم
اس لئے موجیں بہا کر لے گئیں انجمؔ ہمیں
ڈوب کر موتی نہ چن لیں دامنِ ساحل سے ہم

میں نے چند غزلوں کے اشعار نمونتاً آپ کے سامنے رکھ دیئے لیکن یہ حقیقت ہے کہ ایسے کلام کا ذخیرہ انجمؔ صاحب کی پرانی بیاضوں میں کافی موجود ہے۔ عزمِ بخیر ـــ میں چاہتا تو یہ ہوں کہ اس کلام کو علیٰحدہ ہی کتابی صورت میں ترتیب دے دیا جائے، لیکن اس ارادہ کی تکمیل سے بیشتر جہاں میں نے غزلوں کے اشعار پیش کئے وہیں یہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اب انجم صاحب کی مختلف نظموں کے دو دو چار چار بند آپ کو سُناؤں ـــ یہ تو سب جانتے ہیں کہ نظم کا لطف اسی وقت ہے کہ اس کے تمام شعر آپ کے سامنے ہوں، لیکن صفحات کی

قلت اور وقت کی کمی کے باعث میں مجبور ہوں۔ لہٰذا نظموں کے تسلسل میں جو خلاء واقع ہوگا اس پر میں ارباب ادب سے معذرت خواہ ہوں۔ اب آپ بعنوان "تاثرات" نظم کے تین بند ملاحظہ کیجئے ؎

پھر مجھے اکسا رہی ہیں وہ تری رعنائیاں
سر اٹھانے پر تلی ہیں پھر وہی رسوائیاں
سوتے سوتے لے اٹھے جذبات پھر انگڑائیاں
مٹھیوں میں بند ہو سکتی نہیں پرچھائیاں
"اے غمِ دل کیا کروں، اے وحشتِ دل کیا کروں"

لاکھ بہلاتا ہوں لیکن جی بہلتا ہی نہیں
ہجر کی طولانیوں کا رخ بدلتا ہی نہیں
چھپ چکے تارے مگر سورج نکلتا ہی نہیں
سُرخ ہونے پر بھی یہ لوہا پگھلتا ہی نہیں
"اے غمِ دل کیا کروں، اے وحشتِ دل کیا کروں"

وہ جبینِ کوہ پر تاروں کا جھومر زرنگار
وہ شفق کی اوڑھنی دوشِ سحر پر تار تار
سنگ مرمر کی چٹانوں پر کھنکتے آبشار
یہ مناظر روح افزا اور میں دیوانہ وار
"اے غمِ دل کیا کروں، اے وحشتِ دل کیا کروں"

یادِ وطن کے عنوان سے یہ دونوں بند بھی دیکھئے ؎

پریم گھٹائیں مست پون — بلبل خوش صبا دگمن
دل ہے اور دنیائے محن — غربت ہے اور فکر چمن

ہم کوئی غیر نہیں سا جن

آئے پھر آئے یا د وطن

ذوقِ نظر مسحور سہی دل کا شیشہ چور سہی

جادۂ منزل دور سہی رہبر بھی مجبور سہی

دل مجبور نہیں ساجن

آئے پھر آئے یاد وطن

بعنوانِ "انتظار" ذرا یہ گنگا جمنی رنگ بھی ملاحظہ کیجئے ؂

صحنِ چمن میں دل چھا جائے بجلی تڑپے من گھبرائے

آگ سی دل میں سُلگی جائے برکھا آئی تم نہ آئے

ہائے جوانی بیتی جائے

پودے جھومیں پنچھی گائیں پھول ہنسیں کلیاں شرمائیں

وہ ڈھونڈیں اور ہم کھو جائیں رام کرے وہ دن پھر آئیں

ہائے جوانی بیتی جائے

غنچے دیکھے ڈالی دیکھی ڈالی پھولوں والی دیکھی

پھولوں کی متوالی دیکھی اپنی گود ہی خالی دیکھی

ہائے جوانی بیتی جائے

یہی گنگا جمنی رنگ جب اور شدت اختیار کرتا ہے تو مولانا انجم کو پھر بیتے ہوئے دن یاد آتے ہیں اور بالآخر وہ "یادِ جوانی" کے سہارے اس طرح گنگناتے ہیں۔

دو بند ملاحظہ کیجئے ؂

برج تھا میں شیام کنھیا | بیچ بھنور میں موری نیا

من کا چور پریتم کھویا | بھول گیا پردیس بسیا

گہری ندیا، اُتھلا پانی

ہائے محبت ہائے جوانی

جوگن بن کر بن بن ڈھونڈا | بستی دیکھی گلشن ڈھونڈا

کوٹھا دیکھا آنگن ڈھونڈا | سر سے پا تک تن من ڈھونڈا

جنگل جنگل خاک بھی چھانی

ہائے محبت ہائے جوانی

انجم صاحب کے دل کی پکار ابھی آپ نے سنی، اب ذرا اسی پکار کا ایک اور رُخ منظوم خط میں ملاحظہ فرمائیے۔

اے مری زندگی و روحِ کلام
تم سلامت رہو بہ عیشِ دوام

دل کی دھڑکن، خلشِ محبت کی
بھیجتی ہے تمہیں درود و سلام

آج دو ماہ کے قریب ہوئے
کوئی خط ہے نہ خیریت، نہ پیام

سرگزشتِ خلوصِ راز و نیاز
جیسے اک داستانِ بے انجام

آہ دن بھر شعاعِ عالم تاب
مجھ پہ کرتی ہے تیر کا سا کام

عالمِ شب ارے معاذ اللہ
یوں سمجھ لو کہ موت کا ہنگام

طول دے کون اس فسانے کو
خاک آغاز، خاک ہی انجام

پھر بھی زندہ تو ہوں بہ جبرِ حیات
لیکن آسائشِ حیات حرام

دخل ہے اس میں کچھ مشیت کو
عشق کا نام ہے عبث بدنام

روشِ غم بدل ہی جائے گی
تا بکے یہ سلوکِ صبح و شام

تم مجھے بھول کر نہ یہ بھولو
بھول ہے یادآوری کا پیام

آہ تم اور تمہاری بے مہری   آہ میں اور میرا یہ انجام؟

آرزوئیں ہیں دل میں یوں جیسے
منفعت ہی رہ گئے بغیر امام

"بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے" لیکن اب پکار کا نتیجہ بھی دیکھئے ؎

وفا کے گیت مری دُھن میں گا رہے ہو تم
یہ کس مقامِ محبت پہ آ رہے ہو تم؟
ہر ایک خط میں تقاضا کہ تم چلے آؤ
چلا تو آؤں۔ مگر کیوں بُلا رہے ہو تم؟
بچھڑ بچھڑ کے یہ ملنے کی آرزو کیسی
سنبھل سنبھل کے یہ کیوں لڑکھڑا رہے ہو تم؟
گرا گرا کے سہارا نہ دو خدا کے لئے
کہ دوسروں کی نگاہوں میں آ رہے ہو تم

اس کے بعد گریز کا عالم بھی ملاحظہ ہو ؎

ٹھہر ٹھہر کے تمہیں ڈھونڈتی ہے چشمِ شوق
قدم قدم پہ مجھے یاد آ رہے ہو تم
ٹھہر گئی ہے یہ کیوں رات ایک مرکز پر
خود آ رہے ہو کہ مجھکو بلا رہے ہو تم؟

اب چند قطعات ملاحظہ فرمائیے

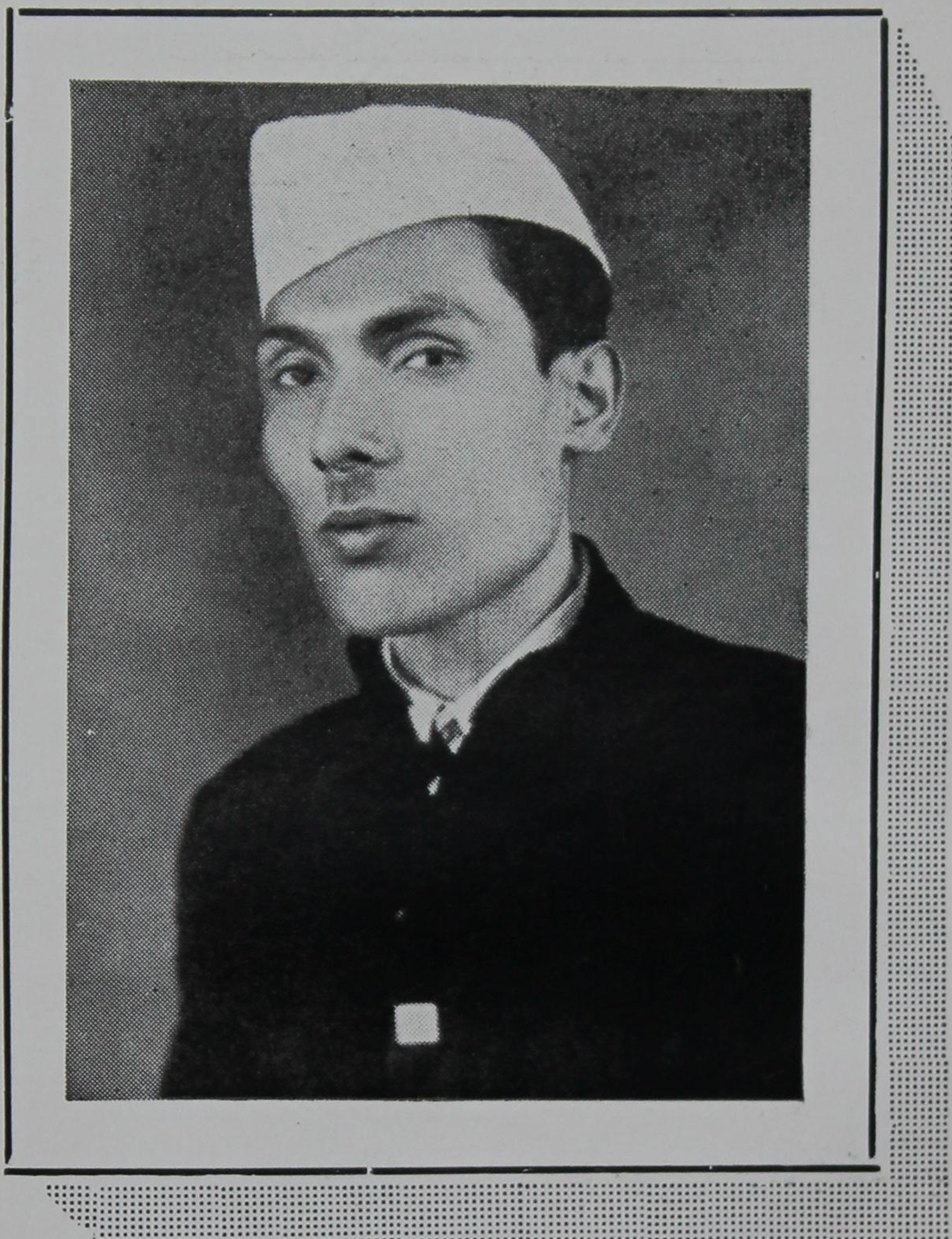
دیکھ کر حُسن و عشق ہم آغوش
چاہتا ہے کہ ان میں پھوٹ پڑے
چشمِ حاسد میں دو دلوں کا ملاپ

جیسے بجلی کسی پہ ٹوٹ پڑے

عام انداز چھوڑ دے ساقی
ظرفِ مے نوش توڑ دے ساقی
دل بضد ہے تو آج یوں ہی سہی
قطرہ قطرہ نچوڑ دے ساقی

نقشِ فطرت اُبھار سکتا ہوں
عہدِ ماضی سنوار سکتا ہوں
مے نہیں میرے نام کی نہ سہی
بوئے مے پر گذار سکتا ہوں

رادھا رمن جوش بدایونی
۲ر اکتوبر ۱۹۵۳ء



دیکھتے ہیں مجھے حیرت سے زمانے والے
کھل بھی جا پردۂ تصویر میں آنے والے

Anjum Fauqi
(*BUDAUNI*)
(*1948*)

اُجالے

انجم فوقی بدایونی

پہلے میں نے صبح سے پوچھا تمہیں پھر شام سے
اس لئے دونوں کو نسبت ہے دلِ ناکام سے

مِٹ نہیں سکتی محبت مرگِ بے ہنگام سے
میں پکارا جاؤنگا برسوں تمہارے نام سے

ابتدا سے تم بچو، گھبراؤں میں انجام سے
عشق پر تنقید کی جائے تو کس کے نام سے

پھوٹتی ہیں صبح کی کرنیں، چراغِ شام سے
اب مجھے آواز دی جائے تمہارے نام سے

میری فطرت کو تعلق کیا مذاقِ عام سے؟
میں خدا کے نام پر جاؤنگا سب کے نام سے

تم نے پھولوں کو نوازا ہے کانٹوں کو چھپا
غالباً دونوں ہی تھے نا آشنا انجام سے

میں بہ یادِ دوست پروانہ بہ فکرِ شمعِ ناز
صبح تک جلتے رہے دونوں چراغِ شام سے

اب جفاؤں میں کوئی آرام کا رُخ ڈھونڈھیئے
میں ہر اک ایذا اُٹھا کر ہوں بڑے آرام سے

آنے والا دور بھی دوہرائے گا انجمؔ مجھے
وقت کی رفتار بدلی ہے مرے پیغام سے

اشارے

تباہ کس نے کیا، اہلِ غم پہ کیا گذری؟
جو سن سکو تو سنائیں کہ ہم پہ کیا گذری؟
یقین تھا کہ نوازے گا دورِ نَو لیکن
کسی نے یہ بھی نہ پوچھا کہ ہم پہ کیا گذری
اُمید بن کے تمہیں تو دلوں سے کھیلے ہو
تمہیں خبر ہی کہ اربابِ غم پہ کیا گذری
ہمارا کام تو اُمید نے تمام کیا
یہ کیوں ملول ہیں، اہلِ کرم پہ کیا گذری؟

کسی کی انجمنِ ناز تک چلے تو گئے:
پھر اس کے بعد نہ پوچھو کہ ہم پہ کیا گذری؟

چمن سے دورِ بہار، چمن پہ کیا گذری
خدا ہی جانے غریب الوطن پہ کیا گذری؟
سحر بہار بداماں سہی مگر اے دوست
تمام رات فضائے چمن پہ کیا گذری؟
صنم کدہ کی تجلی کو تم نے لوٹا ہے
کہو نہ شیخ دلِ برہمن پہ کیا گذری؟
لٹا بھی دو نہ بہاریں تمہاری عمر دراز
یہ تم سے کون کہے گا، چمن پہ کیا گذری؟

حدودِ تلخ کلامی سے دور تھا انجم
نہ جانے اُس کے مذاقِ سخن پہ کیا گذری؟

تغافل اور پھر وہ بھی "مجھی سے"؟
سلام ایسی ادا کو دور ہی سے

تری خاطر خدائے زندگی سے
بجز غم اور کیا مانگوں خوشی سے؟

کہوں کیا دل کی مجبوری کسی سے
خطا ہوتی ہے اکثر آدمی سے

مجھے دیکھو نہ اِس بیگانگی سے
کمی محسوس ہو، میری کمی سے

جنھیں تم بخش دو ازراہِ اُلفت
قبول ایسے ہزاروں غم خوشی سے

چمن والو بخدا وہ دن نہ لائے!
تمہیں بھی کوئی دیکھے بے رخی سے

اگر ہے زندگی درکار انجمؔ
گذر جا ہر مقامِ زندگی سے

خوابِ غفلت بھی طلسمِ شبِ تنہائی ہے
جاگ اُٹھا ہو زمانہ، مجھے نیند آئی ہے

حُسن خود منتظرِ چشمِ تمنّائی ہے
منظرِ عام پہ آنا، "مری رسوائی ہے"

دل میں دنیائے محبت کو لیے بیٹھا ہوں
بزم کی بزم ہی، تنہائی کی تنہائی ہے

غم نصیبوں کے تصور میں نہیں بزمِ نشاط
لوگ کہتے ہیں کہ پھر فصلِ بہار آئی ہے

دیکھتا جام سے لب تک کی بھی ایک ایک شکن
یہ بھی منجملۂ اسبابِ شکیبائی ہے

میرے مرنے سے یہ اُمید بھی کب تھی انجمؔ
اس نے سمجھا تو کوئی شے غمِ تنہائی ہے

میرا احسنِ عمل مٹانے کو؟ حوصلہ چاہیئے زمانے کو
مضطرب تھے جو سر جھکانے کو لے اڑے اُنکے آستانے کو
خود وہ اُٹھے، مجھے اُٹھانے کو رہ گئی بات مُنہ دکھانے کو
ان سے کہہ دو نقاب اُٹھانے کو آئینہ کون دے زمانے کو؟
چوم کر ان کے آستانے کو میں نے ٹھکرا دیا زمانے کو
آپ کی یاد آوری کی خیر کس پہ چھوڑوں غریب خانے کو؟
برق نگراں، بلائیں بپھر سوار یوں بھی دیکھا ہی آشیانے کو
آپ اس نشان سے ہوں کیوں بے نام غیر کیا کم ہیں مسکرانے کو؟
چھیڑ کر درسِ بے خودی انجم
دو خودی کا سبق زمانے کو

دوسروں کی زبان، "حال اپنا" کتنا مجبوب ہے، ملال اپنا
اہلِ دل، اہلِ ہوش، اہلِ ادب ہم نے یوں بھی سنا ہی، حال اپنا
مجھ سے آخر نگاہ پھیر ہی لی تا بکے دیکھتے جمال اپنا؟
اب بھی ہے اُنسیت ترے غم سے آج بھی ہے وہی خیال اپنا
وہ تو آئے برائے پرسشِ غم خود ہمیں کہہ سکے نہ حال اپنا
قدر دانِ ادب کہاں انجم؟
کیا دکھائے کوئی کمال اپنا

اُس آئینِ فطرت سے انکار کر دے
جو اک دوسرے کو گنہگار کر دے
خودی کو یہاں تک تو خوددار کر دے
خدا بھی نوازے تو انکار کر دے
وجودِ حقیقت کا اظہار کر دے
بجز عشق، ہر شے سے انکار کر دے
یہ دنیا نہیں، عالمِ خود نگر ہے
یہاں دیدۂ و دل کو بیکار کر دے
ابھی لوگ اِس راز سے بے خبر ہیں
جسے چاہے فطرت گنہگار کر دے
وہ اک جرأتِ بندگی چاہتا ہوں
غمِ بندگی سے جو بیدار کر دے

نہ سمجھو دل لگی، دل کی لگی کو
بدل دے گی، نظامِ زندگی کو
تمہارا غم نوازے، جس خوشی کو
بہت کافی ہے، میری زندگی کو
گوارا میں تو کر لوں بے رخی کو
ترس جائیگی دنیا زندگی کو
نہیں ہے اب کوئی زحمت کسی کو
دعائیں دو مری بے چارگی کو
محبت اک سہارا چاہتی تھی
ضرورت نے پکارا آدمی کو

دلوں کے حال سے آگاہ مہر و ماہ نہیں
ان آئینوں میں کوئی صاحبِ نگاہ نہیں

مرے لبوں پہ تبسم نہیں کہ آہ نہیں؟
یہ حال پھر بھی تو شرمندۂ نگاہ نہیں

یہی سہی کہ مجھے جرأتِ نگاہ نہیں
ہر ایک بزم تمہاری ہی جلوہ گاہ نہیں

انھیں یقین نہیں ہے مری تباہی کا
مجھے نصیب کوئی معتبر گواہ نہیں

مرے مذاقِ وفا کو وہ لوگ بھی ہیں عزیز
دعا سلام نہیں جن سے رسم و راہ نہیں

نیاز و ناز کی بازی میں ہار جیت ہی کیا!
مگر یہ کھیل مرا مطمحِ نگاہ نہیں

تجھے مذاقِ ستم ہی کا واسطہ اے دوست
ابھی نہ پھیر نگاہیں کہ "میں" تباہ نہیں

نگاہ بھی ہے مقید، جمال بھی محدود
یہ بات کیا ہے کہ آپس میں رسم و راہ نہیں؟

تھکن حرام سمجھ راہِ عشق میں ورنہ
گناہ بن کے رہے گا، جو غم گناہ نہیں

براہِ محفلِ شعر و ادب ہی کیا انجم
کہیں بھی عام روش پر مری نگاہ نہیں

بہ ایں شوخی شرارے عشق کے ماروں پہ کیا گذری
ہوا دینے سے اِن افسردہ انگاروں پہ کیا گذری؟

سکونِ دل کی خاطر، درد کے ماروں پہ کیا گذری
مسیحا پوچھتا پھرتا ہے، بے چاروں پہ کیا گذری؟

ابھی سے تو نہ ہنس اے نظمِ ساقی دیکھنے والے
ابھی یہ فیصلہ باقی ہے، میخواروں پہ کیا گذری؟

تجسس بہ تکمیلِ غم پا رہا ہوں
کہ اُن کی جگہ "میں" نظر آرہا ہوں
غمِ عشق کو یاد کیا میں کرونگا!
غمِ عشق کو "یاد" میں آرہا ہوں"
نہیں دوست، یہ شکوۂ غم نہیں ہے
بہت دور کی بات سمجھا رہا ہوں
وہ آئیں نہ آئیں خوشی اُنکی لیکن
بلانے کو میں جان سے جارہا ہوں
یہ انجام بربادیٔ دل کا توبہ!
وہ آزردہ خاطر، میں پچھتا رہا ہوں
ذرا رخ بدل کر ہٹی تھیں نگاہیں
اک آواز آئی "کہ میں آرہا ہوں"

شبِ ہجر کی ظلمتوں میں بھی انجمؔ
چمکتا رہوں گا، چمکتا رہا ہوں

شعلۂ غم اور اسمیں بھی کمی میرے لئے؟
جبرِ فطرت ہے، جہانِ زندگی میرے لئے
کسقدر محکم ہے، ذوقِ بیکسی میرے لئے
موت کرتی ہے دعائے زندگی میرے لئے
غم درآغوشِ توجہ تھا بہ ہنگامِ ازل
آدمی نے بڑھکے اک "آواز دی" میرے لئے"

دل کو توڑا ہے تو سازِ زندگی بھی پھونک دو
ہوسکے تو اتنی زحمت اور بھی میرے لئے

نظر تک تو ناکامیوں کا گذر ہے
نظر کارگر ماورائے نظر ہے

سمجھنا نہیں کوئی اُن کے اشارے
نشیمن پہ الزامِ برق و شرر ہے

روایت نہیں ہے مرا قصۂ غم
روایت سہی پھر بھی یہ معتبر ہے

بغیرِ نظر کیا، اندھیرا، اُجالا
بشرطِ نظر، لطفِ شام و سحر ہے

غمِ زندگی کو قیامت نہ کہیے
قیامت تو اک قصۂ مختصر ہے!

محبت میں شکوہ سرا ہونے والے
محبت بہ نتیجہ عالم اثر ہے

شبِ غم کی تاریکیوں سے گذر جا
کہ پھر اسکے آگے سحر ہی سحر ہے

تصور سے دامن بچا جانے والے
تصور مرا التفاتِ نظر ہے!

یہ احساسِ نقد و نظر چھوڑ انجم
ہمیں اعتبار اپنے ہر شعر پر ہے

لغزش کہ ایک شرط سہی آدمی کیساتھ
اب کیا کرے سلوک بھی کوئی، کسی کیساتھ

وہ التفاتِ کفر جو ہو مصلحت سے دور
اُس دشمنی کی خیر جو ہو دوستی کیساتھ

میں اُس مقام پہ ہوں جہاں مجھ پہ فرض ہے
اپنا بھی احترام، تری بندگی کیساتھ!

انجم تمہیں نصیب نہ ہو اسکا کیا علاج
ورنہ کچھ اور بھی ہے غمِ زندگی کے ساتھ

ایک لفظِ کن حقیقت بھی ہے، افسانہ بھی ہے
آدمی کیسا تھا، جینا بھی ہے، مرجانا بھی ہے

موت اک بیجا سی خواہش، غیر محسوسِ نشاط
زندگی وہ غم، جسے کھونا بھی ہے، پانا بھی ہے

خود ہی نازِ جلوہ، خود ہی جلوہ گاہِ بے نیاز
آدمی اپنی جگہ بت بھی ہے، بت خانہ بھی ہے

دیکھئے کسکو نوازے وہ نگاہِ انتخاب
سوگوارِ زندگی میں بھی ہوں، پروانہ بھی ہے

میں کہاں تک ارتباطِ جزو و کل کا ساتھ دوں
دل خدا بھی ہے، خدائی بھر کا دیوانہ بھی ہے

ہم وہ بدمست کہ منہ چوم کے پیمانے کا
پھر نہیں دیکھتے کیا رنگ ہے میخانے کا

دل سے آغاز ہوا عشق کے افسانے کا
عشق وہ حسن کہ احسان ہے، دیوانے کا

لیجئے صبح ہوئی، چاند ستارے ڈوبے
آگیا وقت مرے جی سے گذر جانے کا

یہی موقع ہے، چلو پوچھ لیں آدابِ حرم
شیخ کیسا تھا، پجاری بھی ہے بت خانے کا

جلوۂ حسن سے روشن نہ ہوئی بزمِ حیات
اس لئے خون جلایا گیا پروانے کا

منظرِ یاس! نگاہوں کا تماشا بن جا
دیکھنے آیا ہے عالم کوئی غم خانے کا

نو گرفتارِ محبت ہوں ابھی تو انجم
سلسلہ اور بڑھے گا مرے افسانے کا

مجھ سے نظر بچائے ہوئے، آپ کیا گئے
بے اختیار سب کی نگاہوں میں آ گئے

مجھ ہی پہ کیوں ہے تہمتِ بے تابیٔ فراق!
اس زد میں آپ خود بھی کبھی بار آ گئے

چھلکا تھا میرے واسطے پیمانۂ جمال
تھوڑا سا کیف، چاند ستارے بھی پا گئے

ہوں گی کسی کو راس تمہاری رفاقتیں
ہم نے جب اعتبار کیا، چوٹ کھا گئے

اس پر نہ جائیے کہ بہارِ چمن تو ہوں
یہ دیکھئے کہاں سے، کہاں آپ آ گئے؟

طلوعِ مہر نے پھولوں کی زندگی کم کی
یہ کیا خوشی ہے کہ تقدیر کھل گئی غم کی!

مرا ملال، خوشی ہے تمام عالم کی
خدا دراز کرے زندگی ترے غم کی

جفا شعار! دعا دے مرے تبسم کو
ہزار بار بڑھا دی ہے آبرو غم کی

یہ کر یقین کہ بیدار ہیں چمن والے
بھرے چمن میں لٹی ہے بہار شبنم کی

لبوں تک آئی ہوئی مسکراہٹوں کو نہ روک
تری بلا سے جو بڑھ جائے، زندگی غم کی

تم رہو محوِ تغافل، صورتِ دیوانہ ہم
یہ محبّت ہے! تو اِس سے متّفق دُنیا، نہ ہم
اک ذرا سا رنگ دے کر جلوۂ بے رنگ کو
آپ ہی سے کیوں نہ سن لیں عشق کا افسانہ ہم
اے محبّت تو نہ ہو آزردۂ بزمِ حیات
احتیاطاً بن گئے ہیں، صورتِ دیوانہ ہم
آپ ہی جلوہ بہ حیرت، آپ ہی جلوہ بدوش
یوں بھی گذرے ہیں براہِ کعبہ و بتخانہ ہم

مذاقِ وفا، معتبر چاہتا ہوں　　توجہ سے دور اک نظر چاہتا ہوں
جہانِ وفا میں، وفا کے علاوہ　　ہر اک زندگی مختصر چاہتا ہوں
تری جستجو کا سبب اور کیا ہے؟　　بس اتنا کہ "اپنی خبر چاہتا ہوں"
ذرا ہوشیار! اے غرورِ تجلّی　　میں اپنی طرف اک نظر چاہتا ہوں!
غمِ بے پناہ اور ذرا سی توجہ؟　　تلافی بقدرِ اثر چاہتا ہوں!
نقاب اُن کو رخ سے اُلٹنا پڑے گی　　کہ میں امتحانِ نظر چاہتا ہوں!
مجھے خود فریبی سے نفرت ہے انجمؔ
خودی فطرتِ ہر بشر چاہتا ہوں

کئی دَور ایسے بھی آئے وطن میں
کہ تنہا رہا ہوں بھری انجمن میں

لبِ عشق پر ہے غرورِ تبسّم
یہ کون آ رہا ہے، مری انجمن میں؟

نمائشِ طلب ہیں کرم کی بہاریں
کوئی دل نہ رکھدے، جوابِ چمن میں؟

ابھی لوگ دنیا کو سمجھے نہیں ہیں
ہر اک انجمن ہے، اِسی انجمن میں

چمن سے مجھے برطرف کرنے والے!
بہاریں بھی کب تک رہینگی چمن میں؟

جو آئے تھے ہنسباریوں کے سہارے
بصد ہوش گم ہیں، تری انجمن میں

سنا ہے جہاں بھی رہے آپ انجم
چمکتے رہے بزمِ شعر و سخن میں

جو سمجھے نہیں مقام اپنا
دور ہی سے اُنھیں سلام اپنا

بزم ساقی کی، اہتمام اپنا
کچھ تو محکم ہوا، نظام اپنا

رنگ بدلیں جو صبح و شام اپنا
اُن دعاؤں کو بھی سلام اپنا

عام ہی اُنکی شانِ بے مہری
خاص ہی التفاتِ عام اپنا

موت پر اک جمود طاری ہی
زندگی کر رہی ہی کام اپنا

یہ کیا انقلاب آگیا زندگی میں؟ شمار آدمی کا نہیں آدمی میں
خوشی بھی ہے مضمر، غمِ زندگی میں مگر عقل اتنی کہاں آدمی میں؟
ترا مسلکِ بے نیازی سلامت مجھے کون لایا، جہانِ خودی میں؟
شکستِ الم غیر ممکن نہیں ہے مگر حوصلہ چاہیئے آدمی میں
محبت سے دامن بچاؤ نہ انجمؔ
محبت ہی اک چیز ہے آدمی میں

حرم ہو کہ دیر، ایک جا چاہتا ہوں تحیّر سے دور آئینا چاہتا ہوں
محبت میں ترکِ محبت سے پہلے ترے روبرو آئینا چاہتا ہوں
مجھے ناخدا کی جفا بھی گوارا
مگر مستقل آسرا چاہتا ہوں

دو دلوں کو کبھی ملا نہ سکی زندگی اپنے کام آ نہ سکی
ڈھونڈتے ہی رہے جمالِ دوست آئینہ تک نگاہ جا نہ سکی
یوں تو اکثر ہنسے کہ ہنس نہ سکے یوں تو آئی ہنسی کہ آ نہ سکی
اُنکو دیکھا تو دیکھتے ہی رہے اس سے آگے نگاہ جا نہ سکی

اِسی چمن میں، مرا نظم آشیاں بدلا
یہی زمیں ہے، جہاں مجھ پہ آسماں بدلا
نظامِ برق و نشیمن سے ہر سماں بدلا
مگر یہ دیکھ کبھی رنگِ باغباں بدلا؟
وہی ہے شمع کا عالم، وہی ہیں پروانے
تمھیں بتاؤ مذاقِ وفا کہاں بدلا؟
کہیں چمن پہ نہ ٹوٹے کوئی بلا صیاد!
یہ انقلاب مبارک کہ آشیاں بدلا
تری نظر کے اشارے ہی کچھ کہیں تو کہیں
مجھے تو ہوش نہیں "میں کہاں کہاں بدلا؟"
خدا کرے کہ خلافِ وفا نہ ہو انجام
مجھے خبر ہے جس امید پر جہاں بدلا!
ترے سلوک نے سو رنگ سے کیا بیدار
مجھی سے خود نہ مرا عالمِ فغاں بدلا

مجھ پہ الزام خود نمائی ہے
اے محبت تری دہائی ہے
طلبِ حسنِ دوست، کیا کہیے!
آرزوؤں کی موت آئی ہے
آپ آزردۂ جمال نہ ہوں
اتفاقاً نظر اٹھائی ہے

شکوۂ دہر ہے عبث انجم
خود تجھی میں کوئی برائی ہے

بھولنے کا قصد کرتا ہوں تو یاد آتے ہیں آپ
یوں بھی اکثر التفاتِ خاص فرماتے ہیں آپ

میں تو بیگانہ ہوں، کس کو یاد فرماتے ہیں آپ؟
کس تصوّر کے لئے تصویر بن جاتے ہیں آپ؟

موت کو آواز ہیں دیتا ہوں، گھبراتے ہیں آپ؟
کس بلندی سے وفا کی قدر فرماتے ہیں آپ

مضمحل چہرہ، نمی آنکھوں ہیں اور میرے لئے
غور کرتا ہوں تو یوں بھی یاد آجاتے ہیں آپ

غیر محسوسِ نظر تھا، امتزاجِ حسن و عشق
اب مجھے بھی یہ ندامت ہے کہ شرماتے ہیں آپ

افتراقِ عکس و جلوہ میرے مشرب میں نہیں
اپنی صورت دیکھتا ہوں اور نظر آتے ہیں آپ!

طلبِ دید بہ توہینِ طلب، کون کرے　صبحِ فردا کیلئے نالۂ شب کون کرے
خوئے تسلیم، نگاہوں سے گری جاتی ہے　یہی انجامِ ادب ہے تو ادب کون کرے؟
ایک ایذا ہو تو ماحول پہ تہمت رکھ دوں　ہر مسبّب کے لئے فکرِ سبب کون کرے

نہ کر غم اگر دشمنوں کو خوشی ہے
خوشی ہو کہ دل بے نیازِ خوشی ہے
غمِ دل بھی اللہ رے کیا خوشی ہے
سنبھل اے محبّت کو اپنانے والے
حجابِ تجلّی اُٹھا کر تو دیکھو
غرورِ ستم! اب کوئی فکرِ تازہ
محبّت کو سب کچھ سمجھ لینے والے!
تمہیں! ہاں تمہیں، ناز اُٹھانا پڑینگے

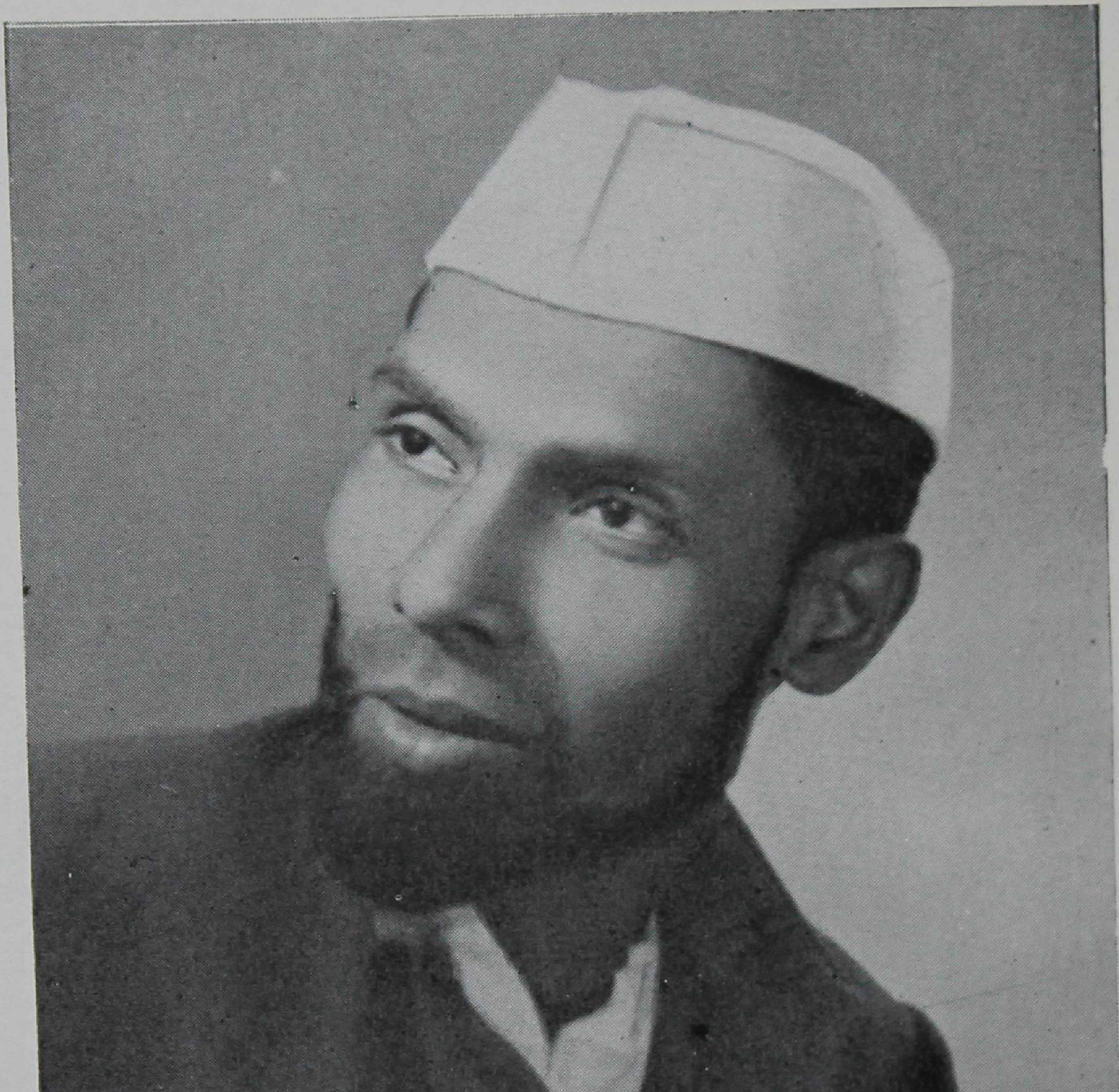
محبت کے بندے، محبت یہی ہے!
مری زندگی اب مری زندگی ہے
مری موت، اُن کے لئے زندگی ہے
محبّت کی معراج دیوانگی ہے!
سراپا تجلّی، ہر ایک آدمی ہے
یہ بجلی تو پہلے بھی دل پر گری ہے
محبت سے اونچی بھی اک زندگی ہے
یہ دیوانگی میری دیوانگی ہے!

میں بدمست و بے خود سہی لیکن انجم
مری ہر غزل وارداتِ خودی ہے

وقت آمادہ بضد ہے، آزمانے کیلئے
کل وہ خود مجبور تھے، پردہ اُٹھانے کیلئے
اے محبت ایک ایسا انقلابِ عارضی!
اکتسابِ خار و خس تو اک پرانی بات ہے
بے نیازِ دید ہو جا لیکن اپنے واسطے

مسکرائے جا، مذاقِ غم بڑھانے کیلئے
اب مجھے چھپنا پڑا، اُن کو چھپانے کیلئے
پھول میرے واسطے، کانٹے زمانے کیلئے
اب کوئی فکرِ دگر آشیانے کیلئے
آفتِ چشمِ تماشا بن زمانے کیلئے

بر بنائے مصلحت انجم سرِ بزمِ ادب
پہلے اپنے واسطے تھے، اب زمانے کیلئے



بن جائیں وہ آئینہ لیکن تصویر کہاں سے لائینگے
اجمال میں ان کا نام سہی تفصیل میں کیا فرمائینگے

انجم فوقی بدایونی
(1952)

ملنے کی آرزو میں نہ ملنے کا غم نہیں
تم اہلِ اختیار تو مجبور ہم نہیں
دل غم کے باوجود، گرفتارِ غم نہیں
یہ میرا التفات ہے، انکا کرم نہیں
رُکتی ہے کیوں ہر ایک قدم پر نگاہِ شوق
اے عشق بیخبر، وسعتِ دنیا تو کم نہیں؟
یہ کونسا مقامِ طلب ہے کہ تم بغیر
پہلے تو کچھ ملال تھا، اب کوئی غم نہیں

میں دوستی کروں تو سزاوارِ دشمنی
تم دشمنی کرو تو محبت سے کم نہیں

آپ کا ہم تو احترام کریں
آپ تفریقِ خاص و عام کریں؟
بزمِ ساقی اور اس قدر سونی؟
لاؤ کچھ ہم ہی اہتمام کریں
رنگِ گل، شمعِ طور، شعلۂ حُسن
کس تجلی کا احترام کریں؟
آپ ہی سے ہو ابتدائے حیات
آپ ہی اس کا اختتام کریں
تم دعا کے لئے اٹھاؤ ہاتھ
اور ہم آخری سلام کریں

منزلِ عشق وہ مقام نہیں
آرزوئیں جہاں قیام کریں

فکر کرنا مجھے مٹانے کی — نبض پہچان کر زمانے کی
وہ کہانی نہیں زمانے کی — تم ہو تمہیدِ حسن فسانے کی
آپ آزردہ سنم کیوں ہیں؟ — جو خطا کی، "مری وفانے کی"
تم سہارا نہ دو بلاؤں کو — آگے تقدیر آشیانے کی

میری جانب نگاہِ دوست نہیں
اب اُٹھے گی نظر زمانے کی

لبِ گور، آغوشِ منزل نہیں ہے — یہ تمہیدِ محفل ہے، محفل نہیں ہے
مجھے خود نہیں چھیڑ منظور ورنہ — کہاں وہ نہیں ہیں، کہاں دل نہیں ہے؟
یہاں شیخ کے گیت کیوں گائے جائیں — مری بزم حوروں کی محفل نہیں ہے
سمجھ سوچ کر پھیریئے گا نگاہیں — کہ سینے میں دل ہے، غمِ دل نہیں ہے!
نگاہوں کی وسعت تصور کی حد تک — تصوّر سے کچھ دور منزل نہیں ہے

مقدّم سہی تیرے کعبہ کی عظمت
مرے سامنے کیا مرادل نہیں ہے؟

اک نظر یوں بھی اس فسانے پر عشق احسان ہی، زمانے پر
مسکرا کر مرے فسانے پر روشنی ڈال دی، زمانے پر
لوگ یہ دیکھکر مجھے دیکھیں کون ہے، کس کے آستانے پر
جس بلا کو کہیں اماں نہ ملے ٹھہر جائے غریب خانے پر
یہ شفق، یہ بہار، یہ بجلی آگ برسے گی آشیانے پر
میری بربادیوں پہ غور نہ کر حرف آجائے گا زمانے پر
فکرِ کم مائیگی نہ کر انجم
مُہر ہوتی ہے دانے دانے پر

وہ میرے واسطے آنسو بہائیں کہیں سچ مچ یہ دن بھی آنہ جائیں
دعائیں کام آئی ہیں نہ آئیں ابھرنا ہے تو پہلے ڈوب جائیں
مری مجبوریوں کی قدر اے دوست کہ قائم رہ گئیں، تیری ادائیں
فغاں تک ہی نہ محدود ہو اے دل بلند از شرحِ غم بھی کچھ صدائیں
دلوں کو اذنِ بیتابی ملا ہے یہ شیشے کیا عجب ہی ٹوٹ جائیں
مری توہین ہے غم کی تلافی بلا سے آرزوئیں گڈ گدائیں
نہیں تخصیص محفل میں کسی کی
مگر تاکید ہے انجم نہ آئیں

لے لفظ "ٹھہر" ہے لیکن یہاں زبان کے محل پر اکتفا کرتا ہوں

بہار خون اُگلتی رہی تو کیا ہوگا
یہ آگ رنگ بدلتی رہی تو کیا ہوگا؟
رگِ ملال اُچھلتی رہی تو کیا ہوگا
یہ شاخ پھولتی پھلتی رہی تو کیا ہوگا؟
دل و دماغ میں جلتی رہی تو کیا ہوگا
حیات روز بدلتی رہی تو کیا ہوگا؟
سحر نوازِ تجلی نہیں ہے شمعِ حیات
تمام رات بھی جلتی رہی تو کیا ہوگا؟

وہ زندگی جسے اہلِ کرم پناہ نہ دیں
خود اپنے سائے میں پلتی رہی تو کیا ہوگا؟؟

جب اپنی طرف اہلِ غم دیکھتے ہیں
تمہارا کرم ہی کرم دیکھتے ہیں
تغافل بہ شانِ کرم دیکھتے ہیں
بہت پُر خلوص اک ستم دیکھتے ہیں
حضور اپنی للچائی نظروں کو روکیں!
کہیں یوں بھی اہلِ کرم دیکھتے ہیں؟
ہمیں خوب ہے علم ہر خیر و شر کا
زمانے کی رفتار ہم دیکھتے ہیں
ابھی وقت ہے جراتِ غم بڑھالے
ابھی اس طرف لوگ کم دیکھتے ہیں
مرا حال تم ان ستاروں سے پوچھو
یہ پہروں مجھے وقفِ غم دیکھتے ہیں
یہ کیا ہوگیا ہے کہ اب دل کی جانب
نہ وہ دیکھتے ہیں، نہ ہم دیکھتے ہیں
ادب گر ادب سنج بت کدہ ہے
یہیں سے بہارِ حرم دیکھتے ہیں

یقیناً کوئی راز ہے اس میں انجم
جو اُن کی طرف آپ کم دیکھتے ہیں

بقدرِ ذوقِ نظر کوئی گُل کھِلا نہ سکے
بہار بن کے بھی کانٹے فروغ پا نہ سکے

وہاں بھی اپنی تجلّی کو تم چھپا نہ سکے
جہاں خیال تو پہونچے، نگاہ جا نہ سکے

یہ فیصلہ ترے جلوے کریں تو بہتر ہے
نگاہ خود نہیں اُٹھی کہ ہم اُٹھا نہ سکے؟

غمِ حیات بایں شرط ناگوار نہیں
مرے بغیر مشیّت بھی مسکرا نہ سکے

اب اُس مقام تو پہونچے ہیں تغافلِ دوست
ضرورتاً بھی جہاں کوئی لب ہلا نہ سکے

کرم نواز! وہ آزردۂ نشاط ہوں میں
تری خوشی کے لئے بھی جو مسکرا نہ سکے

غزل میں چاہیئے وہ نظمِ شعریت انجم
کہ بھول کر بھی زمانہ جسے بھلا نہ سکے

غم بھی ورائے عشق، غمِ عشق بھی مجھے
ہے زندگی بھی تو نہ دے زندگی مجھے

سونپا ہے آپ ہی نے غمِ زندگی مجھے
یوں مسکرائیے کہ نہ آئے ہنسی مجھے

کھولی چمن نے آنکھ تو دنیا بدل گئی
جاگی شعاعِ مہر تو نیند آ گئی مجھے

جب نظمِ کائنات مکمل نہ ہو سکا
پھر ٹھکرا کے وقت نے آواز دی "مجھے"

اُس شمع کو سلام جو شعلہ نہ بن سکی
اس تیرگی کی خیر جو چمکا گئی، "مجھے"

اب تک ہے جس کا چاند ستاروں کو انتظار
اے سوزِ عشق چاہیئے وہ روشنی مجھے

تجدیدِ بندگی کا سہارا لئے ہوئے
انجم پکارتا ہے درِ بندگی مجھے

بہاریں جن کو ترسینگی خزاں میں / کچھ ایسے پھول بھی ہیں گلستاں میں

قفس میں ہو نہ کوئی آشیاں میں / ہمیں تم ہیں، حجابِ جسم و جاں میں

بہاریں آرہی ہیں گلستاں میں / قفس کی آگ رکھ دو آشیاں میں

جو مجرم ہیں نگاہِ باغباں میں / وہی تنکے تو نکھرینگے خزاں میں

سکونِ قلب اور آہ و فغاں میں؟ / لگا دے آگ ایسی داستاں میں

بقیدِ خاص یہ غم بھی گوارا / عموماً جی نہیں لگتا فغاں میں

مجھے دھوکا نہ دے اے زورِ پرواز! / سمٹ جاتے ہیں بازو آشیاں میں

سلیقہ چاہتا ہوں ضبطِ غم کا / مجھے مصروف رہنے دو فغاں میں

پشیمانِ ستم صیّاد کیوں ہو؟ / ابھی موجود ہوں ہر آشیاں میں

علاوہ سعئ دل سوزی کے انجمؔ
سبھی کچھ ہے مری فکرِ جواں میں

اسیروں سے زیادہ بے قراری تھی نگہباں کو
اِسی غیرت نے اونچا کر دیا دیوارِ زنداں کو

اجازت مل گئی سیرِ چمن کی، برق و باراں کو
گلستاں کو بچاؤں اب کہ اربابِ گلستاں کو؟

بہاریں عارضی، نیرنگیٔ شبنم بہاروں تک
اگر پیہم نوازا ہے تو کانٹوں نے گلستاں کو

کمالِ غم، فروغِ خستگی، معراجِ رسوائی
یہی سمجھا تو کیا سمجھا، مرے حالِ پریشاں کو؟

کہاں کی معرفت، کس کا تجسّس کیسی حیرانی؟
مجھے پہچان لیں، سب کچھ ملے گا اہلِ عرفاں کو

محبت ایک لامحدود مجبوری سہی لیکن
یہی مختارِ فطرت بھی بنا دیتی ہے انساں کو

طلوعِ مہر کی نیرنگیوں میں کھو گیا انجمؔ
تجلّی گاہ کا رستہ بتا کر اہلِ عرفاں کو

پھول کی آڑ میں کانٹوں کو چھپانے والے
اس نزاکت کو سمجھتے ہیں زمانے والے

دیکھتے ہیں مجھے حیرت سے زمانے والے
کھل بھی جا پردۂ تصویر میں آنے والے

یاد آئینگے اُنھیں یاد نہ آنے والے
جب مری راہ سے گزریں گے زمانے والے

سب سمجھ کر مری نظروں میں سمانے والے
مجھ سے کہتے ہیں ترے سامنے آنے والے

کرمِ عشق کی روداد سنانے والے
کہیں تکلیف نہ اُٹھاتے ہیں زمانے والے؟

مجھ سے چھپ کر، مری تصویر چھپانے والے
اِسی ظلمت میں چمکتے ہیں زمانے والے

دیدہ و دل ہی نہیں صرف نوازش سے دوست
رات بھر خود بھی تو جاگے ہیں جگانے والے

مگر! پاس ہی شائستۂ تنہائی ہے
اب یہاں بیٹھنے والے، نہ اُٹھانے والے

خدمتِ شعر و ادب کر تو رہا ہوں انجمؔ
اور کیا چاہتے ہیں مجھ سے زمانے والے؟

ابھی ہیں اہلِ زمانہ، مذاقِ آہ سے دور
خدا کرے کہ رہیں آپ ہر نگاہ سے دور

جو بزمِ دوست میں ہیں، وسعتِ نگاہ سے دور
مرا مقام ہی، اُن کی قیام گاہ سے دور

خدا کسی کو نہ دے زندگی محبت کی
تری نظر سے بچا کر، تری پناہ سے دور

سُنا گیا تھا کہ اظہارِ عشق لازم ہے
کہا گیا کہ محبت ہی، رسم و راہ سے دور

مری نگاہ ہر اک منظرِ جمال بدوش
ترا جمال بہر مصلحت نگاہ سے دور

کچھ انقلاب فریبِ وفا کے پردوں میں
چھپے ہوئے ہیں تری رحمتِ نگاہ سے دور

بدلتا ہے سو رنگ خود آشیانہ ۔۔۔ نوا نے کیے انقلابِ زمانہ؟
غمِ عشق! ایسا بھی کوئی فسانہ ۔۔۔ سمجھ کر بھی جس کو نہ سمجھے زمانہ
ابھی نامکمل ہے، غم کا فسانہ ۔۔۔ بدل جائنگا ہیں یہ عذرِ زمانہ
یہ دنیا نہیں، عشق کی رہگذر ہے ۔۔۔ یہاں سے دبے پاؤں گذرے زمانہ
غمِ دل نہ بدلے تو میری کہانی ۔۔۔ اگر رخ بدل دے تو اُن کا فسانہ
خس و خار پر بجلیاں ٹوٹتی ہیں ۔۔۔ مرے ذہن میں ہے، مرا آشیانہ
مجھے کیا ضرورت ہے تردیدِ غم کی ۔۔۔ ضرورت کو پہچانتا ہے زمانہ
کہاں تک گذرتی مجھے ڈھونڈتے ہیں ۔۔۔ اِدھر ذوقِ سجدہ، اُدھر آستانہ
یہ کیا بد مذاقی ہوائے نظمِ گلشن ۔۔۔ قفس گُل کھلائے جلے آشیانہ
بہارِ چمن ہے اسیرِ حوادث ۔۔۔ اسیرِ حوادث سے کیا دوستانہ؟

مرا شعر پیغامِ ہر دور انجمؔ
مری شاعری حاصلِ ہر زمانہ

آپ نے عشق کی جادو اثری کو دیکھا؟ ۔۔۔ مجھ سے منہ پھیر کے دیکھا تو مجھی کو دیکھا
مجھ سے پہلے نہ مرے بعد کسی کو دیکھا ۔۔۔ اور دیکھا تو غمِ دل نے مجھی کو دیکھا

میری صورت میں کوئی اور ہی پیکر نہ سہی
اپنی تصویر میں تم نے بھی کسی کو دیکھا؟

بتا تا بحدِ ضرورت کبھی نہ کی آہ و فغاں ہم نے — تجھے یوں بھی نوازا اے غمِ کون و مکاں ہم نے
بہاروں نے دعائے جبر مانگی، آشیاں ہم نے — بہت محدود کر دی وسعتِ سود و زیاں ہم نے
ہمیں بیگانۂ منزل سمجھ کر چھوڑنے والے! — تجھے سب نے بنایا، یا امیرِ کارواں ہم نے؟
کہیں ایسا نہ ہو بیدار ہو کر خوابِ فطرت سے — وہ پوچھیں کس نے چونکایا کہیں "اہلِ فغاں" ہم نے
جنھیں صحرا نے اپنایا نہ آغوشِ گلستاں نے — اُنھیں تنکوں سے پیدا کی بہارِ آشیاں ہم نے

ہمیں ذوقِ نشیمن ہر بجلیوں کو اذنِ بربادی
اِنھیں باتوں سے پہچانی نگاہِ باغباں ہم نے

قفس بجبر، غمِ آشیاں حقیر نہیں — اسیر میں ہوں، مرے حوصلے اسیر نہیں!
جس التفات کا احساس غم پذیر نہیں — وہ التفات ہی شائستۂ فقیر نہیں
نہ دیکھ دل کو حقارت سے، دل حقیر نہیں — کہ تیرے سامنے میں ہوں، مرا ضمیر نہیں

عشق ناقص سہی بیکار نہیں ہے اے دوست — زندگی ریت کی دیوار نہیں ہے اے دوست
عشق دو رازِ غمِ دل، بار نہیں ہے اے دوست — خار جب تک نہ چبھے، خار نہیں ہے اے دوست

میرے افلاس کو غیرت نے پناہیں دی ہیں
زندگی میرے لئے بار نہیں ہے اے دوست

ڈوبا سورج ، بھیگی شام
عشق بھی ناقص، حسن بھی خام

بادہ ، ساقی ، مے آشام
رقص میں بجلی ، جام بہ جام

عمر دو روزہ ، لاکھوں کام
زیست بقیدِ ہوش حرام

ایک آغاز ، کئی انجام
عشق بہر صورت بدنام

دعوتِ جلوہ ، سب کے نام!
خون نہ روئیں صبح و شام!

نازِ رہبر کون اُٹھائے
منزلِ فطرت گام بہ گام

باعثِ لغزش ، تم جانو!
سعیٔ تلافی ، میرا کام

دولتِ دنیا دست بدست
اذنِ تماشا نام بنام

دولتِ غم تو ہاتھ لگی
باقی ہر کوشش ناکام

شاعرِ فطرت ہوں انجمؔ
میرا ایک ایک لفظ الہام

ڈالی نگاہ جب خلشِ روزگار نے
سب تھے مگر تجھی کو پکارا بہار نے

جو زندگی چمن میں گذاری بہار نے
وہ تم نے چھین لی کہ غمِ روزگار نے؟

دل جبرِ اختیار کی حد سے گذر گیا
اچھا کیا سلوک ترے اعتبار نے

کس نے بہارِ صبح کو افسردہ کر دیا
میری نگاہ نے کہ ترے انتظار نے؟

انجم! بنا لیا ہے نگہبانِ رنگ و بو
کانٹوں کو اپنا خون پلا کر بہار نے

ہم تو بے رنگیٔ عالم ہیں، تمہارے بدلے
تم پہ الزام نہ آجائے ہمارے بدلے

تم نے منہ پھیر لیا، ہم نے ہمارے بدلے
انھیں باتوں سے محبت کے نظارے بدلے

شمع خاموش ہوئی، چاند ستارے بدلے
عشق بدلا نہ غمِ عشق کے مارے بدلے

دل اسی فکر میں دیوانہ ہوا جاتا ہے
خود بدل جائے کہ انداز تمہارے بدلے؟

کیوں غمِ عشق! وہ دنیا بھی کہیں ہے کہ نہیں
ہم جہاں اُن کی جگہ ہوں، وہ ہمارے بدلے؟

تہمتِ عشق اٹھانا تو پڑے گی لیکن
سب کی جانب سے اٹھاؤں کہ تمہارے بدلے؟

تم کسی اور کی خاطر ہو فروزاں انجم
شمع سرگرمِ تجلی ہے، تمہارے بدلے

ہجومِ برق و باراں کا نشانہ
چمن بھی ہو کہ تنہا آشیانہ؟

ادب اے التفاتِ ناصحانہ
مری توہین ہے، عذرِ زمانہ

کرے بھی کیا غرورِ ناقدانہ
گنہگاروں کی فطرت ہی بہانہ

بصد گردش، قفس تا آشیانہ
لئے پھرتی ہے فکرِ آب و دانہ

ہمیں تم ہیں، فسانہ در فسانہ
کہاں تک خاک ڈالے گا زمانہ

محبت کی خلش سے بچنے والے
محبت ہے خدائے ہر زمانہ!

رسائی بجلیوں کی آشیاں تک
مری دنیا ورائے آشیانہ

زمانے کو مئے ہر رنگ ساقی!
مرے حصہ میں توبہ کا زمانہ؟

کسے سجدہ کریں اہلِ محبت
محبت خود جبیں، خود آستانہ

مجھے کیا علم، تخریبِ چمن کا
تمہارا نام لیتا ہے، زمانہ

تمہاری فکرِ لامحدود انجمؔ
تمہارے بعد سمجھے گا زمانہ

ضرورتوں کو سمجھتے ہوئے زمانے کی
مجھی پہ ٹوٹ پڑی شاخ آشیانے کی

بھٹکتیں اور ابھی گردشیں زمانے کی
ہمیں نے راہ بتادی غریب خانے کی

مجھے ہو اُن کی ضرورت، اُنھیں زمانے کی
یہیں سے چمکے گی سرخی نئے فسانے کی

بقیدِ عشق مری زندگی نیازِ تمام
مجھے جبیں کی ضرورت نہ آستانے کی

تمہارے واسطے ملتا ہوں میں زمانے سے
جو تم ملو تو ضرورت نہیں زمانے کی

بہار اپنی حدوں تک تھی داستانِ بہار
سمٹ کے بن گئی سرخی مرے فسانے کی

مجھے سیاستِ دنیا سے کیا غرض انجمؔ
مرا کلام ہی تاریخ ہے زمانے کی

میں سزاوارِ التفات نہیں
زندگی میری کائنات نہیں

عشق مجبورِ التفات نہیں
اور اگر ہے؟ "تو کوئی بات نہیں!"

مسلکِ عشق بے ثبات نہیں
تم بدل دو تو کوئی بات نہیں

خوگرِ شکوہ ، شاکیِ غم پہلے دنیا ، بعد میں ہم

ایک تجلّی ، دو عالم ان دونوں کا حاصل "ہم"!

حاصلِ دنیا ، غم ہی غم غم کے لائق ، آپ نہ ہم

تم آئینہ ، صورت ہم فرق بہت ہے ، لیکن کم

پلکیں بوجھل ، آنکھیں نم ایک خطا پر دوہرے غم

فکر میں اُلجھے ، غور میں گم درخورِ دنیا پھر بھی ہم

چلنے والے ، آنکھیں کھول آگئی منزل ، روک قدم!

وقت کی زد سے بچ نہ سکے آخر دنیا دار تھے "ہم"

غم نے جب سے کروٹ لی چپ ہیں اُس تاریخ سے ہم

شام ڈھلے سورج کی یاد سورج نکلے ، شام کا غم

کوئی ہم سے بات کرے

اس لئے انجم چپ ہیں ہم

ایک ہلکی سی خلش دل کی جگہ سینے میں
غیر محدود اضافہ ہے مرے جینے میں

ہر نظر صرفِ تماشا ہو بسر کا رجحال
ایک صورت ہو تو دیکھے کوئی آئینے میں

یہی موقعہ ہے چلو اپنا نظارہ کر لو
میں نہیں ہوں، مری تصویر ہے آئینے میں

ایک حیرت تھی جسے اہلِ نظر تک پہنچے
اب کوئی اُن کے علاوہ نہیں آئینے میں

میں کہیں تھا، تھا معروفِ نظارہ انجم
سب نے دیکھا مجھے جذبات کے آئینے میں

رہبری آپ کریں دل کی ، غمِ دل میری؟
یہی منزل ہے تو کوئی نہیں منزل میری!

سب کی مشکل سے نمایاں ہوئی مشکل میری
عشق دنیا کی امانت تھا کہ اب دل میری!

صبح بھی میرے لئے، شام بھی منزل میری
میں ہوں انسان ، ہر اک بزم ہے محفل میری

یہی تفریق نئی راہ نہ پیدا کر دے
لوگ منزل کے طلبگار رہیں، منزل میری

دعوتِ سوز و ساز نہ دو خود آؤ آواز نہ دو
"سوز"، تجلّی ساز نہ دو طور کو یہ اعزاز نہ دو
سب شایانِ حشر نہیں سب کو ایک آواز نہ دو
مجبورِ فریاد ہوں میں مجھ کو اذنِ راز نہ دو
لوگ ہمہ تن گوش نہیں لوگوں کو آواز نہ دو
کُنجِ قفس بھی دیکھ لیا اب ذوقِ پرواز نہ دو

کہنے والے کچھ بھی کہیں
انجمؔ اپنا راز نہ دو

سب کی گذر ہی اس طرح، آپ کی بارگاہ میں آپ مری نظر میں ہیں میں ہوں ہر اک نگاہ میں
عشق کی عام راہ بھی خاص مقامِ عشق ہے کوئی قدم اُٹھائے تو منزلِ رسم و راہ میں
ساری بہارِ آب و رنگ، آپ کے دم قدم سے ہے آپ نہیں تو کچھ نہیں انجمنِ نگاہ میں
مجھ پہ ہے اپنا احترام فرض کہ تیرے در پہ ہوں سجدۂ شکر چاہیئے، منزلِ رسم و راہ میں

رہبرِ کارواں بھی گم، منزلِ کارواں بھی گم
ایسے ہزار راستے، عشق کی اک راہ میں

خوشی راس آئے مگر یوں نہ آئے
سفینہ بچے، ناخدا ڈوب جائے

چمن دوست کانٹے، بہاروں کو لائے
بہاروں نے اپنے لئے گل کِھلائے

کلی کا تبسّم، گلستاں چرائے؟
تو نبضِ بہاراں نہ کیوں ڈوب جائے

بہر رنگ اشکِ وفا، رنگ لائے
چُھپے ہم تو شبنم نے آنسو بہائے

مرے ضبطِ غم پر جو اُنگلی اُٹھائے
اُنہیں دیکھ لے پھر مجھے آزمائے

نظاروں کو اذنِ نظر دینے والے
تجھی کو ترے سامنے کون لائے؟

مرے حال پر تبصرہ کرنے والو!
تمہیں بھی اگر عشق یہ دن دکھائے؟

محبت کی دنیا بھی محدود نکلی
جہاں سے چلے تھے، وہیں لوٹ آئے

یہی تجربہ ہے محبّت کا انجمؔ
محبّت اُسی کی جسے راس آئے

جب ان کو پکارا غمِ دنیا کے سبب سے — آئی یہی آواز کہ منہ پھیر لے سب سے
منجملۂ اسباب ہیں، دنیا کے سبب سے — صورت نہ کبھی ایک سی ملتے تو ہیں سب سے!
بے فکر نہوں اہلِ وفا، ذوقِ طلب سے — ممکن ہی وہی دور رہو، جو پاس ہو سب سے
فریاد کہ اے شانِ رضا دیکھنے والو! — اتنا بھی نہ چھیڑو کہ گذر جاؤں ادب سے
وہ پوچھ رہے ہیں کہ پریشان سے کیوں ہو؟ — کہتے نہیں بنتی کہ تمہارے ہی سبب سے
یہ تم پہ ہے موقوف سزا دو کہ جزا دو — بندہ ہوں بہرحال مجھے کام طلب سے
صیاد خبردار! کہ وہ دن بھی نہیں دور — دیکھیں گے ترے صید تجھے چشمِ غضب سے

ناقدریٔ اربابِ ادب پوچھ نہ انجمؔ
بیٹھے تو ہیں محفل میں گنہگارِ ادب سے

ہوا نہ تکملۂ غم، بغیر آہ کئے — گناہ کرنے پہ مجبور تھے، گناہ کئے
حضورِ دوست، ہر انجام پر نگاہ کئے — کھڑا ہوں سب سے الگ ترکِ رسم و راہ کئے
تمام عرصۂ فکر و نظر تباہ کئے — تمہیں نگاہ میں رکھتا ہوں بے نگاہ کئے
خفا نہو تو مری سمت بھی نگاہ کئے — یہ احتیاط گذر جاؤ، عذرِ راہ کئے
ہر ایک چیز کو منجملۂ نگاہ کئے — کئے بغیر بھی کہنا پڑا، گناہ کئے
تری نوازشِ بے تاب سے نباہ کئے — کئے بغیر بھی کہنا پڑا، گناہ کئے

حریفِ عشق ہے فکرِ نشاط اے انجمؔ
ہر ایک غم سے گذر جا بغیر آہ کئے

خزاں نواز کوئی اور تھا، کہ دیوانے؟　　چمن سے پوچھئے، تنہا بہار کیا جانے؟

مری نگاہ سے بچتے ہیں آئینہ خانے　　تم اپنے سامنے آؤ تو کون پہچانے؟

غمِ حیات سے بیزار ہو نہ دیوانے!　　تری پناہ میں کھولی ہے آنکھ، دنیا نے

گواہ ہیں مرے سوزِ طلب کے افسانے　　بغیرِ شمع بھی اکثر جلے ہیں پروانے

مقامِ عشق بجز حسن کوئی کیا جانے　　میں وہ نہیں ہوں، جسے ہر نگاہ پہچانے

غمِ بہار سہی لیکن استوار تو ہے　　مجھے چمن سے زیادہ عزیز ویرانے

ضرور تا مجھے چپکے سے یاد کر لینا　　جہاں تمہیں کو، تمہاری نظر نہ پہچانے

کہوں تو ہوش کہاں، مجھکو لب کشائی کا　　سُنے بغیر مرا حال کوئی کیا جانے

ابھی تو میں نے اٹھائی ہے تہمتِ دیدار　　نظر اٹھے تو زمانہ بھی تم کو پہچانے

گناہ گارِ ادب اس لیئے ہوں اے انجمؔ
زبانِ شعر میں لکھتا ہوں، دل کے افسانے

بہاروں کو پشیمانی ہے اس کارِ نمایاں پر
کہ خود اہلِ چمن نے آگ برسائی گلستاں پر

محبت ختم کر دو، الزام آئے قلبِ انساں پر
یہی معصوم شوخی تو گراں ہے بزمِ امکاں پر

نہ کیوں ماتم کرے انسانیت کارِ نگہباں پر
درِ زنداں سے آتی ہیں بلائیں اہلِ زنداں پر

زمانہ چاہتا ہے داد اپنی بے گناہی کی
کوئی تنقید فرما دے مرے حالِ پریشاں پر

گرے بجلی تو مجھ پر میں گنہگارِ نشیمن ہوں
مری خاطر کوئی افتاد کیوں آئے گلستاں پر؟

طلوعِ مہر، غنچوں کی چٹک، پھولوں کی شادابی
ہر اک اعزازِ فطرت طنز ہے صبحِ غریباں پر

غمِ عصیاں سہارا چاہتا ہے اُنکے دامن کا
مگر جب ہاتھ پڑتا ہے تو اپنے ہی گریباں پر

جنونِ بے خودی، ذوقِ اسیری، لطفِ تنہائی
یہی مجبوریاں احسان ہیں دیوارِ زنداں پر

تری خاطر دلِ ناکام یہ صورت بھی کی ہم نے
ہر اک آواز سے بچ کر انہیں آواز دی ہم نے

بلائیں تو ازل سے خانہ زادِ عشق تھیں لیکن
بہاروں کے لئے شاخِ نشیمن چھوڑ دی ہم نے

جہانِ خیر و شر ہیں جانے کس شے کی ضرورت ہو
سکونِ دل سے پہلے اک خلش بھی مانگ لی ہم نے

جہاں سجدہ گذارِ عشق تھا خود نازِ محبوبی
اسی مرکز سے کی ہے ابتدائے بندگی ہم نے

حسن تماشا، عشق جنوں — ایک روش پر دونوں کیوں؟
پھیر تو نظریں، لیکن یوں — پھر نہ کوئی اُمید کروں!
تم چپ ہو، میں بات کروں — ہو سکتا ہے، لیکن کیوں؟
اچھا ہوں، جس حال میں ہوں — لیکن یہ احساس بھی کیوں؟
دین و دنیا، دونوں خواب — خواب کی باتیں مانیں کیوں؟
حاصلِ دنیا تم ہی سہی — غور کرو تو "میں بھی ہوں"!
سعیٔ وفا محدود نہیں — لاؤ انھیں پھر موقع دوں
غور تو اُن کی فطرت ہے — لیکن میں کس سوچ میں ہوں؟
ہیں اُن کی تصویریں نہیں — وہ نہ ہیں تو کیا دیکھوں؟
وقت بہت انمول سہی — اور اگر "میں" ساتھ نہ دوں؟

انجم میرا کوئی نہیں
کس کی خاطر شعر کہوں؟

غم سے بچنا ہی، خوشی سے بھی گریزاں ہونا
کچھ مفر ہی تو ہی ہیں کہ پریشاں ہونا

میری فطرت نہیں، شرمندۂ احساں ہونا
یہی ایذا ہی تو راحت ہی پریشاں ہونا

صرف تسکینِ تکلم ہی ابھی کافی ہے
آشنا درد سے ہو جاؤ تو درماں ہونا

میں گنہگارِ محبت نہ سزاوارِ حیات
باوجود اِسکے بھی چھپنا نہیں انساں ہونا

آپ کے طرزِ تبسم کا سہارا لے کر
آگیا راس مجھے چاکِ گریباں ہونا

فطرتِ عشق کبھی سو رنگ بدل لیتی ہے
مجھ سے چھپ کر مری صورت سے نمایاں ہونا

اور کبھی ہیں طلبِ دوست کی راہیں انجم
کچھ نہ بن آئے تو پھر خاکِ بیاباں ہونا

وہ سامنے ہیں مگر صرفِ جلوہ آرائی
اب اِس مقام کو محفل کہوں کہ تنہائی؟

مجھے ابھار نہ اے شوقِ بزم آرائی
بہت بلند ہے میرا مذاقِ تنہائی

اِسی کا نام ہو شاید غرورِ تنہائی
کہ اپنی سمت بھی دیکھوں تو اُنکی رسوائی

بقدرِ شوق اُٹھا تو حجابِ تنہائی
پھر اِسکے بعد محبت مجھے نہ راس آئی

ابھی تو صرفِ تماشا نہیں ہوا ہے انجم
تمہارے بعد نوازے گی کس کو رسوائی؟

عشق چھپتا نہیں، چھپانے سے — فائدہ کیا نظر بچانے سے؟
بھول اپنی، گلہ زمانے سے — عشق زندہ ہوا اِس بہانے سے
شوق تو کیا ہے، گُل کھلانے سے — مجھ پہ ہنستے ہیں اِس بہانے سے
جب قفس میں چراغ جلتے ہیں — لَو نکلتی ہے آشیانے سے
طلبِ زندگی میں سب کچھ ہے — موت مانگوں تو کس بہانے سے
ترکِ اُمّید اک بہانہ تھا — کر چکے یہ بھی سَو بہانے سے
ہوشیار اے نگاہِ وقت نواز — رُخ بدلتے ہوئے زمانے سے!
حاصلِ ذکر ہو تمہیں لیکن — ابتدا ہے مرے فسانے سے
جاگنا تھا ہمیں یہ کارِ حیات — سو لئے موت کے بہانے سے

ذکرِ محبوب فرض تھا انجم
کہہ لئے شعر اِس بہانے سے

وہ سوز دل میں چھپا لے جو نوکِ خار میں ہو — یہ بات میرے سوا کس کے اختیار میں ہو؟
کہیں بہار سے بچ کر، کہیں بہار میں ہو — تمام نظمِ چمن میرے اختیار میں ہو
چمن بخیر، خزاں پردۂ بہار میں ہو — بہار اذنِ تماشا کے انتظار میں ہو
قفس کی نوحہ گری، آشیاں کا سناٹا — یہی بنائینگے کس کی کمی بہار میں ہو؟

کمالِ شعر و ادب کے مقام تک انجم
جو راہ مجھ سے بچے، سب کے اختیار میں ہو

راستے عشق کے بدلے، نہ بدلنے والے
خود ہی کچھ بھول گئے روز کے چلنے والے

مشعلِ راہ بنے جاتے ہیں، جلنے والے
شرم اسے سینۂ مشرق سے نکلنے والے!

رفعتِ عشق کو پستی سے بدلنے والے!
میرے گھر لے گئی ہیں تصویر سنبھلنے والے

اپنے ماحول کو محدود کئے لیتے ہیں
فطرتِ وقت کی تاریخ بدلنے والے

چھوڑ دے میرے لئے غم کی بھیانک راتیں
دن ڈھلے شمع کی تصویر میں ڈھلنے والے

وقت ہی میری تباہی کیلئے کافی ہے
وقت کے ساتھ نگاہوں کو بدلنے والے!

میں ہوں پروردۂ انوارِ حقیقت انجمؔ
جگمگاتے ہیں مری چھاؤں میں پلنے والے

اہلِ دل شدتِ غم سے کہیں گھبراتے ہیں!
اوس پڑتی ہے تو پھول اور نکھر جاتے ہیں

ہم وہاں آنکھ اٹھاتے ہوئے شرماتے ہیں
چھپنے والے بھی جہاں سامنے آجاتے ہیں

کیوں ہے دنیا کیلئے صرف تبسّم اے دوست؟
ایسے نشتر تو مرے دل میں جگہ پاتے ہیں

یہ سمجھ لیں مجھے سمجھیگا نہ سمجھنے والے!
لالہ و گل ہی نہیں، خار بھی کام آتے ہیں

تم نے چھیڑا دل کا ساز
اتنا ظاہر، باقی راز

اُن پر نظریں، دل پر ناز
ایک طلب کے دو انداز

ہم دنیا، تم دنیا ساز
سب کچھ ظاہر، سب کچھ راز

دل کی دھڑکن نغمہ ساز
نغمہ لیکن بے آواز!

شرحِ محبت کون و مکاں
وجہِ محبت اب تک راز

موت احیاتِ عشق نہیں
وقت پڑے کی چارہ ساز

شاخِ نشیمن سامنے ہے
جسکو موقع دے پرواز

اہلِ قفس کا حال نہ پوچھ
جبر مقدم، مدت راز

صرفِ تجلی کوئی نہیں
لیکن دیدۂ انجم باز

حسن کا فیضِ عام نہ دیکھ!
ہاتھ بڑھا، انعام نہ دیکھ

سورج بنکر شام نہ دیکھ
کون ہے زیرِ دام؟ نہ دیکھ!

دیکھ، دلِ خود کام نہ دیکھ
جلوہ، بے انعام نہ دیکھ!

فرقِ صبح و شام نہ دیکھ
آگے بڑھ، انجام نہ دیکھ

اپنی ہنسی کی قیمت سوچ
پھولوں کا انجام نہ دیکھ!

در پردۂ محبت میں اک ایسی بھی طلب ہے
ہر بے ادبی اپنی جگہ، اصلِ ادب ہے

اُمّید پہ دنیا ہے اور اُمّید غضب ہے
خود وجہِ طلب شعبدۂ حسنِ طلب ہے

اب اُنکی تمنّا بھی، مجھے اپنی طلب ہے
اے بے ادبی تو ہی نگہبانِ ادب ہے

قربان! کہ پابوس نہ ہوا اے کرمِ دوست
دنیا ابھی ناواقفِ آدابِ طلب ہے

بیٹھا ہوں ترے در پہ ہر آفت سے بہت دور
کیا خوفِ غمِ زیست کہ مرنا ہی تو اب ہے!

پوچھو، تو کوئی بات نہیں دل کا تڑپنا
سمجھو، تو ہر انداز تقاضا یہ طلب ہے

انسان کو ادراکِ حقیقت ہو تو سمجھے
جو مجلسِ ماتم ہے، وہی بزمِ طرب ہے

کھنچی نہیں بے ذوقِ تمنّا کوئی تصویر
آئینِ محبت میں تمنّا ہی غضب ہے

کچھ تم ہی بتا دو مجھے اے صبح کے تارو
کیوں ڈوب گیا دل، کوئی اسکا بھی سبب ہے؟

میں کون ہوں، کچھ بھی نہیں، کچھ ہوں تو تمہیں سے
تم کون ہو؟ یہ راز بڑا غور طلب ہے

انجم یہ ستاروں کے چھلکتے ہوئے آنسو
جیسے کوئی چھلکا ہوا پیمانۂ شب ہے

یہ کون مدِ مقابل ہوا، خدا جانے
ترس سا گئے مری صورت کو آئینہ خانے

اُنھیں پکار کے چپ ہو گئے ہیں دیوانے
یہی سکوت مرتب کرے گا افسانے

جلے چراغ تو اپنے ملے نہ بیگانے
اندھیری رات میں پھر جل بجھے پروانے

ابھی تو دیکھی ہے اپنی بہار دنیا نے
وہ سامنے ہوں تو کیا گُل کھلیں خدا جانے

یہ بزمِ ناز ہے، کیا اعتبار دیوانے؟
یہیں لٹے ہیں کئی شمع ساز پروانے

یہ ہے تضاد کہ اصلِ سبب، خدا جانے
زباں چپ ہے، نظر کہہ رہی ہے افسانے

ابھی تو صرفِ نمائش ہیں، اس لیے چپ ہوں
مری طلب کو نوازیں گے خود ہی میخانے

یہ انتہائے محبت نہیں، تو پھر کیا ہے؟
کہ سب کو جاننے والا، مجھے نہ پہچانے

اب اس مقامِ توجہ پہ ہیں، امینِ جنوں
کہ ہیں تو صاحبِ منزل، چلیں تو دیوانے

خدا کرے مجھے یوں راس آئے حسرتِ دید
تمہارے بعد کسی کو نظر نہ پہچانے

مذاقِ شیشہ و ساغر تو عام ہے انجم
جو تم پیو، تو مہ و مہر بھی ہیں پیمانے

کوئی میرے سوا سمجھا نہیں مقصودِ کامل کو
کہ میں نے صاحبِ منزل کو ڈھونڈا ہے سرِ منزل کو

زمانہ فطرتاً آسانیوں کا ساتھ دیتا ہے
کوئی پابندِ مشکل ہو تو سمجھے میری مشکل کو

مقامِ عشق کا آغاز اُس منزل سے ہوتا ہے
جہاں خود رہبرِ منزل ترس جاتا ہے منزل کو

یہاں بھی سلسلہ کیوں ختم ہو سوزِ محبت کا
چراغِ شام بجھتا ہے، تو جلنا چاہیئے دل کو

سفینہ عشق کا ساحل پہ ڈوبے غیر ممکن ہے
اگر ڈوبا، تو اپنے ساتھ لے ڈوبیگا ساحل کو

محبت کی خلش، دنیا کا غم، احساسِ محرومی
اسی کے واسطے دل ہے؟ تو واپس لیجئے دل کو

زمانے کو خدا معلوم کس شے کی ضرورت ہو
مناسب ہے کہ تم دل کو نوازو، دو غمِ دل کو

محبت بے نیازِ رنگ و بو تھی اس لیئے انجم
بمجبوری امینِ زندگی ہونا پڑا دل کو

میری ایذا طلبی، اُن کا پریشاں ہونا
یہ وہ منزل ہے جہاں کفر ہے انساں ہونا

آگیا عشق کو خود اپنا نگہباں ہونا
تم مرے واسطے ہرگز نہ پریشاں ہونا

اور کچھ روز مرا ساتھ گوارا کر لو!
تم کو آجائیگا تنہا بھی نمایاں ہونا

عشق معصوم طبیعت بھی، گنہگار بھی ہے
احتیاطاً مجھے لازم ہے، پشیماں ہونا

لوگ بچتے ہیں محبت کی پریشانی سے
ہم نے سیکھا ہے محبت میں پریشاں ہونا

جس تجلی کیلئے، سب کا نشانہ ہوں میں
وہ نظر آئے تو چھپنا کہ نمایاں ہونا؟

جس جگہ جرم ہو اظہارِ حقیقت انجم
ایسے ماحول میں کیا خاک غزل خواں ہونا

میرے پردے میں تو دنیا کا تماشا دیکھئے
آپ اپنے سامنے آتے تو پھر کیا دیکھئے؟

میرا عالم، میرا دل، میری تمنا دیکھئے
اک تماشا ہی سہی لیکن تماشا دیکھئے!

اتفاقاً لالہ و گل پر نگاہیں جا پڑیں
ورنہ تیرے دیکھنے والے انھیں کیا دیکھئے؟

تم نے دیکھا ہی مجھے "صرف تماشائے جمال"
"میں" نے دیکھا ہی تمہیں، سب کا تماشا دیکھئے

انتظاماً کوئی تو ہوتا نگہبانِ حیات
ہیں اگر دنیا نہ ہوتا، آپ دنیا دیکھئے

تم نے انجمؔ پھیر لیں نظریں بہت اچھا کیا
ایک صورت کے لئے کیا ساری دنیا دیکھئے

باغباں، صیاد، گلچیں، شاخ، سبزہ، نسترن
ہیں چمن آزاد، باقی سب اسیرانِ چمن

کوئی رہرو، کوئی سنگِ راہ، کوئی راہزن
بزمِ دنیا آپ کی محفل، نہ میری انجمن

وسعتِ کونین ہی اہلِ ہوس کی انجمن
حسن آزادِ تعین، عشق آوارہ وطن

دل برائے زندگی ہی زندگی دیوانہ پن
عشق سے کہدو امینِ رازِ فطرت اوڑھ بن؟

آپ سے سوزِ محبت کو نہ اپنا یا گیا
ہم نے پروانہ بکف دیکھی ہی شمعِ انجمن

بجھتی جاتی ہی طبیعت، ڈوبتا جاتا ہی دل
بھولتی جاتی ہی شاید زندگی اپنے چلن

کاروانِ رنگ و بو یہ کہہ کے رخصت ہو گیا
ہم چلے، آرام فرمائیں، نگہبانِ چمن

میں حیاتِ عشق ہوں اے نامرادی جھینپیا!
موت مجبوروں کی دنیا، زندگی میرا وطن

مجھ سے کیا ٹکرائینگے انجمؔ محبانِ ادب
وہ سخن پرور رہیں، "میں پروردۂ شعر و سخن"

مجھی سے کیوں ہو عبارت، جنوں کا افسانا
بنا نہیں ہوں، بنایا گیا ہوں دیوانا

بہار اپنی حقیقت سے خود بھی، بیگانا
نگاہ میں نے اٹھائی تو سب نے پہچانا

مری خودی کو حقارت سے دیکھنے والے!
اسی خودی کی بدولت، خدا کو پہچانا

رہینِ خار نہیں، میری چاک دامانی!
بہار بن کے بنایا ہے، تم نے دیوانا

مجھے مقابلۂ بیکسی ہی کیا کم تھا؟
اسی کے ساتھ، تمہارے خیال کا آنا!

جمودِ اہلِ ادب بے سبب نہ تھا انجمؔ
مرے کلام کو سمجھا تو مجھ کو پہچانا

سوزِ فطرت کی جگہ، فکرِ جنوں ساز نہ دے
تم پکارو، تو زمانہ مجھے آواز نہ دے

بے نیازی کو لیا ہے، تو غمِ ناز نہ دے
اپنے ماحول سے ٹکرا، انھیں آواز نہ دے

ذوقِ پرواز اسیروں کیلئے کافی ہے
یہ بھی وقت اگر موقعۂ پرواز نہ دے"

دل کی دھڑکن سے پشیمانِ تجسس ہوں میں
اب مرے سامنے آجا، مجھے آواز نہ دے

شکوۂ غم کی جگہ، شکریہ مٹنے والے!
یہی انجام کہیں دعوتِ آغاز نہ دے؟

اوجِ دیوارِ قفس ہے، مری تنہائی تک
باغباں! مجھکو شریکِ غمِ پرواز نہ دے

لب کشائی کی اجازت سہی لیکن انجمؔ
وہ اگر تجھکو پکاریں بھی تو آواز نہ دے

حُسن ستم گر، عشق ستم — اوّل و آخر، غم ہی غم
چوٹ بھی اوچھی، درد بھی کم — بس اتنی سی دولتِ غم؟
اُن کی مسرت، اپنا غم — ایک نہ شد، دونوں محکم
حسن کو شوخی، عشق کو ہم — نیچی نظریں، اُونچے غم
کانٹے، پھول، کلی، شبنم — سب کے سب، اربابِ ستم
اور بھی ہیں منجملۂ غم! — لیکن مجھ پر خاص کرم
پوچھا، ہے کوئی محرمِ غم؟ — دل نے کہا چپکے سے، ہم
جگنو، چاند، ستارے، ہم — ایک لڑی میں سب مدغم
ایسی ہنسی بھی کیا اے دوست؟ — غم کو ترسیں، اہلِ غم
تابشِ جلوہ نادم ہے — کود پڑے خود آگ میں ہم
قربِ منزل دور نہیں — اور رہی دو چار قدم!
روتے روتے ہنس تو دئے — یہ نہ کھلا کیوں روئے ہم؟
فرقِ چراغ و شمع نہ دیکھ! — ایک ہے اصلِ دیر و حرم
محرمِ جلوہ کوئی نہیں — کوئی نہیں ہے، "لیکن" ہم

شعر و سخن کے پردے میں
انجم کب تک عرضِ غم؟

کہیں ہر قرب سے بالا، کہیں کچھ دور نہیں
آپ دنیا میں ہیں، دنیا کا یہ دستور نہیں!

میری غیرت، کرمِ دوست پہ مجبور نہیں
یہ وفا ہے تو وفا بھی مجھے منظور نہیں!

اُسکی مرضی، جو نمایاں وہ سرِ طور نہیں
عزم راسخ ہو تو مقصودِ نظر، دور نہیں

اعتمادِ کرمِ وقت پہ جینے والو!
وقت وہ جبر ہے، جسکا کوئی دستور نہیں

حُسن بے قیدِ تعین ہی نگاہوں کیلئے
ایک جلوہ ہو تو کہہ دوں، مجھے منظور نہیں

اپنی تصویر پہ اکثر مجھے پیار آتا ہے
میری تصویر میں وہ بھی ہوں تو کچھ دور نہیں

میں کہ پروردۂ آغوشِ ادب ہوں انجمؔ
شاعری میرے لیئے فرض ہی، دستور نہیں!

عشق دنیا ہی نہ دنیا کی نظر ہی اے دوست
ایک عالم ہی جو سرگرمِ سفر ہی اے دوست

میری غربت پہ ستاروں کی نظر ہی اے دوست
کھول آنکھیں کہ ابھی وقتِ سحر ہی اے دوست

دل بظاہر تو غمِ عشق کا گھر ہی اے دوست
کچھ تجھے اسکے علاوہ بھی خبر ہی اے دوست

جو تجھے دیکھ کے اپنا ہی نشانہ بن جائیں
اُن نگاہوں سے الگ میری نظر ہی اے دوست

سازِ غم چھیڑ دیا ہی تو بلاؤں کو نہ روک
میں وہ ہوں جسکے یہاں سبکی گذر ہی اے دوست

یوں تو سب دنیا میں ہیں، دنیا ہر اک محفل میں ہے
میں کہاں جس دنیا میں وہ دنیا، تمہارے دل میں ہے

اس حقیقت سے بھی اے اربابِ ساحل ہوشیار
ایک نامعلوم طوفاں، ہر رگِ ساحل میں ہے

بے خبر ہیں قافلے والے ابھی اس راز سے
منزلِ مقصود، راہ میں نہیں ہے، "دل میں ہے"

میں نے ہی کچھ سوچ کر اسکو بنا دی راہِ دوست
ورنہ اس منزل میں کب تھا عشق، جس منزل میں ہے!

تم مری جانب اگر دیکھو تو میں کچھ بھی نہیں
میں اگر دل کی طرف دیکھوں، تو سب کچھ دل میں ہے

چلنے والا ناشناسِ لذتِ منزل نہیں
رُکنے والے لطفِ منزل دوریٔ منزل میں ہے

اب تو انجم ساری دنیا گوش بر آواز ہے
کہہ بھی دو مردِ خدا جو کچھ تمہارے دل میں ہے

جلوۂ صبح سے جب اُنکی نظر ملتی ہے
بے ہلائے ہوئے ہر شاخِ چمن ہلتی ہے

سرخیٔ لالہ و گل سے یہ خبر ملتی ہے
خون ہوتا ہی چمن کا تو کلی کھلتی ہے

میں وہ شائستۂ زندانِ وفا ہوں اے دوست
جسکو زنجیر ہلاتی ہے نہ خود ہلتی ہے

شکوۂ دوست بہرحال مقدم لیکن
رحم اے شدتِ "گفتار" زباں جلتی ہے

کثرتِ یاس، غمِ عشق، بلائے کونین
جسکو ملتی ہی اماں، میرے یہاں ملتی ہے

پھول تو صرف تماشا ہیں انھیں کیا معلوم
میں سمجھتا ہوں کلی جس کیلئے کھلتی ہے

غیرتِ عشق کو ناکام نہ سمجھو انجم
زندگی موت کے پردے میں یہیں ملتی ہے

جس سمت نگاہیں اُٹھینگی، سرکار ہمیں کو پائینگے
جلووں کا سمٹنا ٹھیک نہیں، سمٹے تو نظر بن جائینگے

ہوشیار کہ اے اربابِ چمن، ایسے بھی کئی دور آئینگے
شبنم کی طرح جو بکھرے ہیں، پانی کی طرح بہہ جائینگے

بنجائیں وہ آئینہ لیکن تصویر کہاں سے لائینگے
اجمال ہیں اُنکا نام سہی، تفصیل میں کیا فرمائینگے؟

معصوم دلوں سے اے دنیا، ہر وقت اُلجھنا ٹھیک نہیں
جنبک بھی ملیں آ ملنے دے، بچھڑے تو بچھڑ ہی جائینگے

میں ڈوبا ہوں میں اُبھرا ہوں، طوفان کو میں نے برتا ہے
ساحل پہ نظر رکھنے والے طوفان سے کیا ٹکرائینگے؟

اے بزمِ تجلی، طنز نہ کر، اِن میری بجھی آنکھوں پر
انوارِ سحر دن ڈھلتے ہی، سورج کی طرح ڈھل جائینگے

تم سامنے آکر دیکھو تو، انجامِ غمِ تنہائی کا
جو حسرتِ جلوہ رکھتے ہیں، وہ تابِ نظر بھی لائینگے

کانٹے بھی تو رنگِ گلشن ہیں، غنچوں کی طرف کیوں تکتے ہو
یہ پھول تو کھلتے رہتے ہیں، یہ پھول تو کھل ہی جائینگے

مانگی تھی دعائے آزادی لیکن یہ خبر کیا تھی انجم
مختارِ نشیمن ہوتے ہی، مجبورِ قفس ہو جائیں گے

چمن اُنکا، بہاریں دوسروں کی، آشیاں میرا
یہ کیا تقسیم؟ جسمیں فائدہ سب کا، "زیاں میرا"

چمن کی زندگی تک کیوں رہے نام و نشاں میرا؟
نشیمن ساز ہوں میں، ہر جگہ ہے "آشیاں میرا"

سفینہ ہے خدا و ناخدا کے درمیاں میرا
اُٹھائے کچھ دنوں طوفان، اب بارِ گراں میرا

نظارے عام، عرفاں بے تعین، حسن بے پردہ
یہ سب کی آزمائش ہے کہ تنہا امتحاں میرا؟

بن گئی نازِ محبت، طلبِ ناز کے بعد
اور بھی ایسے کئی راز ہیں، اس راز کے بعد

قدر کیا سوزِ تجلّی کی، سحر ساز کے بعد
ٹھہر سکتی نہیں شبنم، مری پرواز کے بعد

میں ہی دنیا کی صدا بن کے نہیں ہوں خاموش
خود بھی چپ ہو گئی دنیا، مری آواز کے بعد

لوگ آغاز سے کہتے ہیں تلاشِ انجام
میں نے انجام نہ سوچا کبھی آغاز کے بعد

اپنی منزل تو بنا لیتے ہیں، دنیا والے!
میں کہاں جاؤں؟ تری جلوہ گہِ ناز کے بعد!

میں گنہگارِ نشیمن ہوں نہ پابندِ قفس!
فطرۃً کچھ تو سکوں چاہیے پرواز کے بعد

اس محبت میں ہے توہینِ محبت انجمؔ
وہ اگر مجھ کو پکاریں، مری آواز کے بعد

بھٹک نہ عکسِ تجلّی کی رو میں دیوانے
نظر کہاں ہے؟ نظر ہو تو اُن کو پہچانے

ملے بغیر بھی اک دوسرے کو پہچانے
یہ راہ میں نہ بتاؤں تو کوئی کیا جانے؟

بہار آگ لگائے، بجھائیں دیوانے؟
گراں ہیں، میری سماعت پہ ایسے افسانے

حیاتِ شمع ہے، اک شعلۂ فریب نواز
خود اپنا خون کہاں تک جلائیں پروانے

خلوص تک تو مرا ہاتھ تھا بہاروں میں
پھر اس کے بعد جو کچھ بھی کیا، وہ دنیا نے!

غرورِ اہلِ نظر بھی مجھی سے ہے ورنہ!
تمہیں خیال میں لکھ لوں، تو کون پہچانے

تمہارا حسنِ تغزّل انھیں کا عکسِ جمال
تمہارے شعر بھی انجمؔ انھیں کے افسانے

حیرانیٔ جلوہ کہ زمانے کی نظر دے — میں اُن کی جگہ ہوں، یہ اُنھیں کون خبر دے؟

ہو جائے تو عرفانِ طلب، عام ہی کر دے — دیکھ اپنی طرف، ساتھ جہاں تاب بھی نظر دے

میکش بھی ہیں، مے بار بھی، پیمانہ شکن بھی — تنہا مرا ساقی ہی توجہ بھی کدھر دے؟

تم سوزِ نشیمن کو حقارت سے نہ دیکھو — یہ آگ بہاروں میں کہیں رنگ نہ بکھر دے!

کوئی نہیں دیکھے جو تجلّی کی بہاریں؟ — میں ہوں! مجھے گنجائشِ پروازِ نظر دے!

ہر فکر کو شہر مژدۂ اُمیّد کئے جا — اے ذوقِ نظر آپ ہی اُٹھ جائینگے "پردے"

مجھکو روشِ عام سے دیکھا نہیں جاتا — ممکن ہو تو اپنے لئے مخصوص نظر دے

تسلیم کہ تم شاعرِ فطرت سہی انجمؔ
یہ طرزِ نگارش تمہیں بدنام نہ کر دے

پردۂ راز نہ اُٹھا، خلشِ راز گئی — خیر مانگو کہ نہیں تک "مری آواز گئی"

شرم اے عشق کہ اُمیدِ سکوں ساز گئی — چار تنکوں کیلئے دولتِ پرواز گئی

میں نے آواز کے پردے میں اُسی کو دیکھا — ساری دنیا کی نظر جانبِ آواز، گئی

پہلے تعمیرِ نشیمن کے لئے رونا تھا — اب یہ ماتم ہے کہ گنجائشِ پرواز گئی!

دن ڈھلا، رات ہوئی، شمع کے تیور بدلے — فکرِ انجام کرو، صورتِ آغاز گئی!

آگیا رنگ بدلنا مری تنہائی کو — اب ہمیشہ کے لئے زحمتِ آواز گئی

اُٹھ گیا پردۂ عرفانِ تمنّا انجمؔ
آگئے سامنے وہ، فکرِ تگ و تاز گئی

نئے چلن کی ضرورت ہی اب زمانے کو
میں بجلیوں کو نوازوں، تم آشیانے کو

دعائیں دوں نہ کہا تنگ ترے زمانے کو
بہار بن کے ترستا ہوں مسکرانے کو

مری فغاں پہ کسی نے کوئی اثر نہ لیا!
ترے سکوت نے چونکا دیا زمانے کو

طلوعِ مہر، نزولِ بہار، صبحِ چمن
یہی تو پھول جلائینگے آشیانے کو

ہر ایک غم تو نہ تھا مایۂ وفا لیکن
ہمیں سے خود نہ پکارا گیا زمانے کو

الٰہی مجھکو عطا کردہ کیفِ نامعلوم!
جہاں کو جسکی خبر ہو نہ آشیانے کو

غزل خلاصۂ رودادِ زیست ہے انجمؔ
غزل کے بعد سناؤں بھی کیا زمانے کو؟

تم رہو صحنِ گلستاں میں کہ صیّاد رہے!
میں بہر حال ہوں دونوں سے الگ، یاد رہے

غیر تمہیدِ ستم ہے نہ ستم، یاد رہے
خبر مانگو کہ مجھی تک، مری روداد رہے

نگۂ دوست پریشاں ہے بہ ترتیبِ نشاط
خیریت دل کی اسی میں ہے کہ ناشاد رہے

بقدرِ وسعتِ غم، کیا نہیں انسانِ کامل میں!
نیا رُخ ہو تو گنجائش، نکل آئے، "مرے دل میں!"
نمایاں فرق میں بھی چاہتا ہوں، حق و باطل میں
مگر ایسی بھی کیا نسبت کہ دونوں ایک منزل میں!
بھٹک جاتے ہیں اکثر کارواں، حفظِ مراحل میں
ضرورت ہے کہ دیوانہ بھی ہو اربابِ منزل میں!
بعصرِ نو روایاتِ کُہن سے میں بھی نالاں ہوں
مگر ترمیم ہو سکتی نہیں افسانۂ دل میں!
امانت کی حدوں تک میں مجبوری نگہباں تھا
مجھے اب کیا غرض دل سے کہ تم موجود ہو "دل میں"
بہت محدود کر رکھا ہے میں نے فیضِ تنہائی
کوئی کیوں انجمن بردوش پہنچے، اُن کی محفل میں!
نظر کے ساتھ مقصودِ نظر بیتاب ہوتا ہے
یہ منزل بھی تو آتی ہے، تلاشِ راہِ منزل میں؟
بہت اچھا، مجھے یہ فرق بھی منظور، میں خوش ہوں
مجھے رسوا کرو تم، میں تمہارا نام لوں۔ "دل میں"
سفینے کو خدا و ناخدا پر چھوڑنے والے!
سفینہ ہو تو لاکھوں وسعتیں دامانِ ساحل میں
تمہارا ذکر لامحدود کیوں محدود ہو لیکن
تکلف برطرف، یہ کیا؟ کہیں لب پر، کہیں دل میں؟
یہاں بھی ہے مجھے محبوب اپنا ذوقِ تنہائی
نہ ہونے کے برابر میں ہوں انجمؔ اُن کی محفل میں

سوزِ ناتمام

تخلیقِ غمِ دل، دل سے ہوئی، خلّاقِ غمِ دل کوئی نہیں
انسان خود اپنا قاتل ہے، انسان کا قاتل کوئی نہیں
کیوں غم کی بھیانک وادی میں رہبر کی ضرورت پیش آئے
یہ راہ سراپا منزل ہے، اس راہ میں منزل کوئی نہیں

ہوئی ہے فطرت سپردِ ایسی کہ نازاب تک نیاز ہیں ہے
فرازِ ہستی خدا ہی جانے، نشیبِ ہستی فراز ہیں ہے
مذاقِ سیر و نظر کی وسعت کہیں چمن تک ہی رہ نہ جائے
اسی لئے تو یہ کہہ دیا تھا کہ جلوۂ دوست راز ہیں ہے

سو بار فغاں کو ٹھکرایا، سو بار فغاں سے کھیل چکے
اے عشق میں اُن کا رہبر ہوں، جو لوگ یہاں سے کھیل چکے
جلووں کی اعانت دونوں پر، لازم ہی نہیں ملزوم بھی ہو
اب کون و مکاں ہم سے کھیلیں، ہم کون و مکاں سے کھیل چکے

اُمید پہ دنیا قائم ہے، اُمید خیالِ خام نہیں
وہ سب کی نظر کیوں بن جائے، جو اپنے لئے بھی عام نہیں

آغازِ طلب بدنام سہی، انجامِ طلب بدنام نہیں
تم جس کے لئے مخصوص نہ ہو، ہیں اُسکی نظر میں عام نہیں

قیدِ مقامِ بندگی عشق کے درمیاں نہیں　　دیر و حرم کی کشمکش ہو گی کہیں "یہاں نہیں"!
میں کہ خدائے عشق ہوں، بندۂ آستاں نہیں　　میری قیام گاہ سے آگے کوئی جہاں نہیں
حسن کہ دشمنِ اُمید، دل ہے کہ بے نیازِ دید　　غیرتِ عشق کو نوید، اب کوئی مہرباں نہیں
مجھ سے حجابِ قدس کی عقدہ کشائیاں نہ پوچھ!　　میں تری بزمِ خاص کا راز ہوں، رازداں نہیں

عشق رہِ قیام ہے، حسن مرا مقام ہے
شوقِ فغاں مدام ہے، فرصتِ یک فغاں نہیں

وغ پائیں گے ، اہلِ قفس بہار کے بعد
یہ دور آئے گا لیکن کچھ انتظار کے بعد!
وہ مسکرائیں گے ، ناکامیٔ تمنّا پر
کھلیں گے پھول ہمارے لیئے بہار کے بعد

اب کیوں چپ ہو؟ بات کرو کہہ تو دیا تم سب کچھ ہو
عشق کا عالم کیا کہئے! جیسے کوئی نیند میں ہو

عشق کے بندے، حسن طلب؟ پاسِ ادب، اے ننگِ ادب!
وعدۂ فردا، دور کی بات! میرے لیئے کیا حکم ہے "اب"؟

بلندیوں سے نہ کھیلوں تو خاکسار نہیں
بہار ہے مری فطرت ، غمِ بہار نہیں!

اُٹھاؤں پردۂ فطرت ، مرا شعار نہیں
کہ منتظر تو ہوں ، مجبورِ انتظار نہیں

ہر چیز یہاں شعبدۂ وہم و یقیں ہے
دنیا کا یہ عالم ہے کہ ہے اور نہیں ہے

تم سامنے ہو اور میں نظریں اُٹھا سکوں؟
روکو مجھے! کہ ایسی حدوں تک نہ آسکوں

بہارِ بے رنگ تھی حقیقت ، مرے گمان و یقیں سے پہلے
یہ آئینہ رونما ہوا ہے ، نگاہ بن کر یہیں سے پہلے

کرمِ عشق بہ تجدیدِ ستم اور بھی ہے
کیوں اپینِ غمِ دنیا، کوئی غم اور بھی ہے؟
ایک ہلکی سی خلش صرفِ ستم اور بھی ہے
تم نوازو تو ابھی جراٗتِ غم اور بھی ہے

دعائیں مجھے چارہ گر دے رہے ہیں نئی زندگی کی خبر دے رہے ہیں
خبردار! اے جذبۂ نامرادی سہارا ابھی بال و پر دے رہے ہیں

وقارِ قفس ہے، غمِ آشیاں تک!
غمِ آشیاں، فکرِ کون و مکاں تک!
ہزاروں اندھیرے درِ آشیاں تک
اُجالا کرے ایک بجلی کہاں تک؟

حسنِ بیداد بھی ہو، عشق کی افتاد کے ساتھ
تم بھی کچھ دیر تڑپ لو، دلِ ناشاد کے ساتھ

ہجومِ یاس گوارا ہے عمر بھر کے لئے
ترس نہ جاؤں محبّت بھری نظر کے لئے

چمن والوں نے سمجھا ہی کہاں روحِ رواں مجھکو
بہت سوچا تو کہہ گذرے بنائے آشیاں مجھکو
محبت میں جہاں سجدہ کرے خود نازِ محبوبی
اک ایسا آستاں بھی، ماورائے آستاں مجھکو

یکر اے وقت میرے اعتنا دیا سس کی!
میں نے اُس ماتھے پہ دیکھی ہے شکن احساس کی

اورائے جستجو نظّارۂ سرشار ہے
جو نظر حدِّ تماشا تک رہے، بیکار ہے

ینہ بنکے ترے سامنے آؤں کہ نہیں؟
تیری تصویر تجھے یوں بھی دکھاؤں کہ نہیں؟
دل بہ تحریکِ غمِ دوست، جلاؤں کہ نہیں؟
شمع کو جلنے کے آداب سکھاؤں کہ نہیں؟

تمہیں نظر پہ، مجھے دل پہ اختیار رہے
وہ گُل کھلاؤ کہ دونوں جگہ بہار رہے!

تجلّیوں کو یہ تاکید، تُم نظر نہ بنو!
مجھے یہ اذن کہ نظر دل پہ اختیار رہے

تنکے اُڑے تو کام مرا باغباں بنا
اب تو بھی کہہ رہا ہے بنا آشیاں، "بنا!"

تنہا سکوں دورِ قیامت سے کم نہیں
موقع ملے تو سب کے لئے آشیاں بنا